فلسطین

کا معذور مجاہد

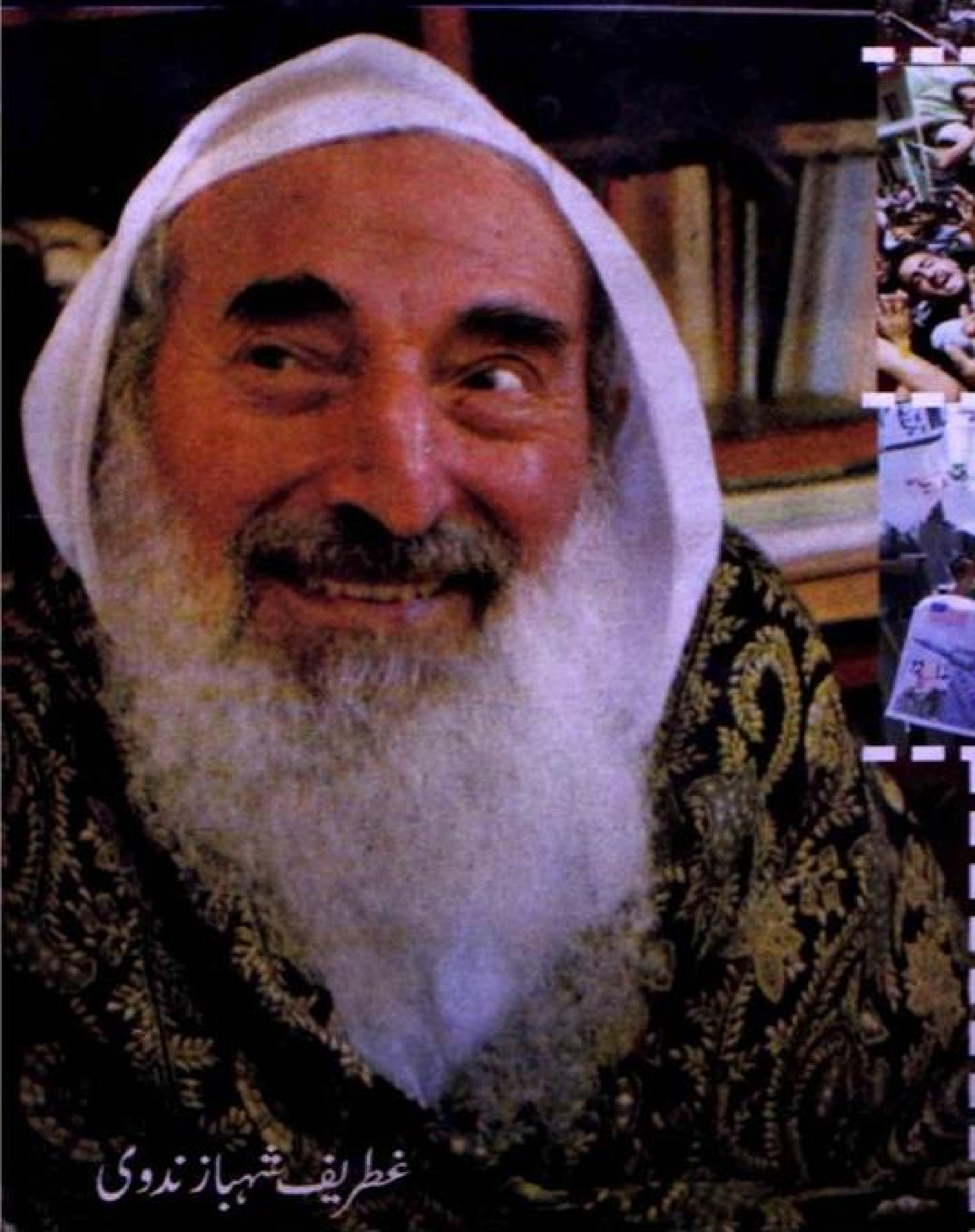

غطریف شہباز ندوی

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں شان یداللّٰھی

فلسطین کا معذور مجاہد

شیخ احمد یاسین شہید

(۱۳۵۷ھ - ۱۴۲۵ھ بمطابق ۱۹۳۸م - ۲۰۰۴ء)

غطریف شہباز ندوی

ابجد پبلیکیشنز
نئی دہلی ۲۵

جملہ حقوق بحق (فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز) محفوظ

نام کتاب : فلسطین کا معذور مجاہد

مصنف : غطریف شہباز ندوی

ناشر : ابجد پبلیکیشنز F-71,A.F.Encl.N.Delhi-25

صفحات : 128

قیمت : 45

ملنے کے پتے:

☆ نیو کریسنٹ پبلشنگ، ۲۰۳۵ گلی قاسم جان، بلی ماران، دہلی ۶

☆ فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز،

II Floor M96-A Abul Fazal Enclve,N.Delhi-25

فہرست

مقدمہ ۷

باب اوّل		باب دوم	
فلسطین ماضی وحال (مختصر تعارف جغرافیائی)	۹	شیخ احمد یاسین (اوراقِ حیات کی چند جھلکیاں)	۳۹
۱۔ فلسطین کی قدیم تاریخ	۱۰	۱۔ نشوونما تعلیم وتربیت	۳۹
۲۔ اسلامی تاریخ کی جھلکیاں	۱۱	۲۔ حادثہ سے گزرتے ہیں	۴۱
۳۔ فلسطین کے اہم شہر	۱۲	۳۔ جسے اللہ رکھے	۴۲
۴۔ فلسطین کی اہم مساجد	۱۸	۴۔ خودداری وتوکل کا نمونہ	۴۴
۵۔ فلسطین میں تعلیم وتربیت کی موجودہ صورت حال	۱۹	۵۔ طلبہ کی دینی تربیت	۴۵
۶۔ فلسطینی مقتدرہ (اتھارٹی)	۲۱	۶۔ دینی غیرت	۴۶
۷۔ عصامی سوسائٹی	۲۲	۷۔ حسین لمحات	۴۶
۸۔ فلسطین ارض مبارک	۲۴	۸۔ فراست مؤمن	۴۷
۹۔ فلسطین ارض انبیاء	۲۵	باب سوم۔ تحریکی جدوجہد	۴۸
۱۰۔ اسلامی تہذیب وثقافت کا مرکز	۲۷	۱۔ تحریکی کام کا آغاز	۴۹
۱۱۔ شہیدوں کی سرزمین (فلسطین ارض شہدا)	۲۷	۲۔ مسجد یں تحریک کا مرکز	۵۱
۱۲۔ بیسویں صدی میں فلسطینی جہاد		۳۔ ہمہ وقتی کارکن:	۵۱
۱۳۔ حریت کی چند جھلکیاں	۲۹	۴۔ کیمونزم سے اسلام کی طرف	۵۲
۱۴۔ مسئلہ فلسطین: مختصر اور سرسری جائزہ	۳۰	۵۔ اسلامی اکیڈمی	۵۲
		۶۔ آغاز تحریک کے محرکات	۵۳
		۷۔ تحریک کی فکر اور دعوت	۵۷

۸۔ پابند سلاسل	۵۷
۹۔ تحریک جہاد منزل بہ منزل	۵۹
۱۰۔ تحریک تناور ہوگئی	۶۱
۱۱۔ اوصاف جمیلہ	۶۳
۱۲۔ گھر قومی عدالت بن گیا	۶۳
۱۳۔ شیخ کی بالغ نظری	۶۴
۱۴۔ وسعتِ مطالعہ	۶۵
۱۵۔ دوسرے قائدین سے رابطہ	۶۷
۱۶۔ مرحلۂ دارورسن	۶۸
۱۷۔ عدالت میں آوازۂ حق	۶۹
۱۸۔ جہاد حریت کی ابتداء	۷۰
۱۹۔ حماس کا آغاز	۷۱
۲۰۔ حماس رفاہی تنظیم	۷۵
۲۱۔ انتفاضہ ثانیہ	۷۶
باب چہارم	
۱۔ موقف پر غیر معمولی ثبات	۷۹
۲۔ ردعمل	۸۵
۳۔ مختصر تاثراتی تحریریں	۸۸
۴۔ شعبان عبدالرحمٰن	۸۸
۵۔ احمد عزالدین	۸۹
۶۔ القرضاوی	۹۱
۷۔ عبدالعزیز رنتیسی	۹۷
۸۔ وسام عفیفہ فلسطین	۹۹
۹۔ قائد امت کی شہادت	۱۰۱
باب پنجم فکر روشن (انٹرویوز)	۱۰۵
۱۔ پہلا انٹرویو	۱۰۵
۲۔ دوسرا انٹرویو	۱۱۴
۳۔ اقوال	۱۲۱
۴۔ خاتمہ: فلسطین میں حقوق انسانی کی پامالی	۱۲۲
۵۔ حرف آخر	۱۲۵
۶۔ اردو ادب سے انتخاب	۱۲۸

ناشر کی طرف سے :

محترم قارئین!

مسئلہ فلسطین کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر یہ کتابچہ متوسط درجہ کے قارئین کے لیے تیار کرایا گیا ہے۔ یہ کوئی تحقیقی تصنیف نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ پر عربی وانگریزی میں بہت سی تحقیقی کتابیں موجود ہیں بعض کا ترجمہ اردو میں بھی ہوا ہے، ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ کم پڑھے لکھے اور متوسط درجہ کے لوگوں کے سامنے فلسطین کی تحریک آزادی اور بطلِ حریت شیخ احمد یاسین شہید کے بارے میں موٹی موٹی معلومات لے آئی جائیں، یہ اس کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلے ایڈیشن میں کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں اب ان کو درست کر دیا گیا ہے اور بعض ضروری چیزوں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ کتابچہ بہت جلدی میں تیار کیا گیا ہے اس لیے ممکن ہے کہ مواد کی ترتیب میں اور اسلوب بیان میں کچھ کمی رہ گئی ہو پروفنگ پر توجہ دی گئی ہے لیکن پھر بھی غلطیوں کا امکان ہے۔ اس لیے قارئین سے گزارش ہے کہ وہ کوئی غلطی پائیں تو مئولف کو اس سے ازراہ کرم آگاہ کریں اور اپنے مفید مشوروں سے نوازیں۔

ناشر

انتساب

۴ ماہ کی معصوم بچی 'ایمان' کے نام جو ظالم یہودیوں کے ظلم کا نشانہ بن گئی، یحیٰ عیاش، علاء ابوعلبہ، محمود مدنی، صلاح حسن، محمود علیان، سعید حوتری کے نام، جنہوں نے القدس کی حرمت پر جوانیاں لٹادیں، ڈاکٹر عبداللہ عزامؒ کے نام جنہوں نے عزیمت واستقامت اور جہاد فی سبیل اللہ کا ایک نیا باب لکھا۔ صبرا دشتیلہ اور تل زعتر کے شہیدوں کے نام جو حصارِ جبر میں زندہ بدن جلا دیئے گئے۔

مؤلف کے والدین کے نذر جنہوں نے اس کی تربیت کی اور اس خدمت کے لائق بنایا۔

میں داستانِ درد ہوں تاریخِ کرب ہوں
سارے وجود پر ہیں نشاں حادثات کے

مقدمہ

المیہ فلسطین کو نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا، فلسطینی عوام عالمی طاقتوں، ہم یہودی مکروفریب، صیہونیت اور اس کے پیدا کردہ امریکہ اور UNO وغیرہ کی سازشوں اور دجل کے شکار تھے عرب حکمرانوں کی غداری اور ایمان فروشی اور عالم اسلام کی بے وفائی کے مارے ہوئے تھے، ان کی حالت بالکل وہی تھی کہ تن ہمہ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم (پورا تن زخمی ہے کہاں کہاں مرہم رکھوں) ان کی قومی قیادت کی بے سمتی نے ان کی حرمان نصیبی میں مزید اضافہ کیا۔

ایسے میں ایک نحیف ونزار آواز اٹھتی ہے، اور قوم کو رجوع الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتی ہے، ایک کمزور اور معذور شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ اسلام عبادت وسیاست، قرآن اور تلوار، زندگی اور شہادت سب کچھ ہے، وہ انہیں سکھاتا ہے کہ باطل کی فوجی مشینری اور سیاسی قوت وجبروت کے باوجود حق کا اعلان اور اپنے حقوق کی بازیابی کی آواز فقط ایمانی قوت کے سہارے بلند کریں، اس نے انہیں سکھایا کہ تھکے بدن، زخمی سروں اور خون سے رستے اعضا کے باوجود کیسے غوروفکر کریں پھر آزادی کا کاروان اور شہادتوں کا قافلہ مایوسیوں اور ناکامیوں کی گھٹا چیر کر آگے بڑھا، اس نے انہیں اپنے عزائم اور ارادوں کی تکمیل کے لیے جمنا سکھایا، اندھیروں کو چاک کر مشکلات کی گھاٹیوں کو پار کر کے راستہ بنانا سکھایا، عرب دنیا کے مشکوک ومتزلزل موقف، متضاد اور مبہم پالیسوں اور فضول پروجیکٹوں کی بیڑیوں میں بندھے فلسطینیوں کو انہوں نے خوداعتمادی اور توکل علی اللہ کا درس دیا۔ یہ شخص اپنی فالج زدگی اور معذوری کے باوجود اپنے معاصرین علماء، زعماء اور مختلف محاذوں کے قائدین سے کہیں زیادہ متحرک تھا، ان کی علمی، دینی اور دعوتی صلاحیتوں کے ساتھ ان کی جاذب اور کرشماتی شخصیت اور بلند مرتبہ قومی وملّی مقرر اور بابصیرت سیاسی وروحانی

قائد کی حیثیت سے فلسطینی عوام ان پر دل وجان سے فدا ہیں۔

اس شخصیت کا نام شیخ احمد یاسین ہے، جن کی حیثیت فلسطین میں ایک گوہر نایاب کی تھی۔ اس مختصر سے کتابچہ میں ہم نے انہیں کی شخصیت، حیات اور کارناموں پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے شیخ احمد یاسین جو تحریک حماس کے روحانی قائد بھی تھے، اپنی ذات میں ایک امت اور ایک کارواں تھے، قدرت نے انہیں خداداد صلاحیتوں اور ملکات سے نوازا، اور انہوں نے بیماری اور معذوری، قید و بند کی تکالیف کے علی الرغم اسلامی دعوت اور جہاد حریت کی قیادت کا بار سنبھالا تھا، اور اپنے وقت، مال اور جان کو خالصۃ لوجہ اللہ اس راستہ میں لگا رکھا تھا، اردو داں حلقہ میں اس رجل عظیم کے سلسلہ میں معلومات بہت کم ہیں، اس کتابچہ کے ذریعہ، جو اس سلسلہ کا ایک ابتدائی نقش ہے، یہ کمی انشاء اللہ کافی حد تک پوری ہو جائے گی۔ مسئلہ فلسطین کی حقیقت اور اہمیت اور پس منظر کی فہم کی خاطر ابتدائی چند صفحات میں اس سلسلہ کی بھی موٹی موٹی معلومات پیش کر دی گئی ہیں۔

▬ ▬ ▬

باب اول

فلسطین، ماضی وحال

جغرافیائی محل وقوع

ماضی میں فلسطین اصلاً ملک شام کا ایک صوبہ تھا، تاہم بیت المقدس کی وجہ سے اس کی ایک خاص شناخت رہی ہے، موجودہ زمانے میں وہ ملک شام کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اور وہ عالم عربی کے افریقی اور ایشیائی دونوں حلقوں کو ملاتا ہے، اس کے علاوہ ایشیا، افریقہ اور یوروپ تینوں براعظموں کے مابین رابطہ اور پل کا کام دیتا ہے۔ اس کے شمال میں لبنان اور سیریا جنوب میں مصر کے ماتحت صحرائے سیناء اور خلیج عقبہ پڑتے ہیں، مشرق میں اسکی سرحد اردن سے ملتی ہے اور مغربی سمت میں بحر متوسط نے اسے گھیر رکھا ہے، طول وعرض میں فلسطین کا کل رقبہ تقریباً 10,162 مربع میل ہے، بحر متوسط کا ساحل اس کے تقریباً 235 کلومیٹر کے رقبہ تک پھیلا ہوا ہے، مشرق سے مغرب کی جانب اس کا عرض ۵۰ کلومیٹر ہے۔ جنوب میں بحر مردار پڑتا ہے، شمالی حصہ کو رفح کہتے ہیں۔ اس کے اور بحر مردار کے بیچ تقریباً 115 کلومیٹر کی دوری ہے جو جنوب کی طرف بڑھتے بڑھتے کم ہوتی جاتی ہے۔ مشرق سے مغرب کی جانب تنگ چوڑان ہے، فلسطین کی سطح مرتفع تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے، اور ہر حصہ کا اپنا مزاج، آب وہوا، رنگ اور پیداوار ہے، یہ حصے ہیں:

۱۔ ساحلی میدان

۲۔ پہاڑی خطہ

۳۔ نشیب

البتہ جنوبی حصہ میں صحرائی علاقہ بھی پڑتا ہے، آبی علاقوں میں طبریہ کا تالاب اور بحر مردار خاص ہیں، جس کی سطح آب دنیا بھر میں سب سے نیچی سطح ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی نہروں اور تالابوں کو چھوڑ کر دریائے اردن ہے، جو شمال سے جنوب کی سمت میں بہتا ہے، اندرونِ ملک فلسطین کے دو خطے

پانی کے خاص ذخیرے سمجھے جاتے ہیں ان میں ایک خطہ ساحلی میدان کے اندر ہے، اور دوسرا مغربی کنارہ میں واقع سلسلۂ کوہ کے اندر پڑتا ہے۔

۱۹۴۸ء (۱۳۶۸ھ) سے قبل فلسطین ۶ صوبوں اور ۱۶ اضلعوں میں مشتمل تھا، اس وقت اس کے باشندوں کی تعداد ۳۸۰۰۰۰ کو پہنچتی تھی، جو آج بڑھ کر ۶ ملین نفوس سے زائد ہوگئی ہے۔ ان میں تین ملین مقبوضہ فلسطین میں رہتے ہیں، ۱۹۴۸ء میں بین الاقوامی سازشوں کی بنیاد پر یہودیوں نے فلسطینی اراضی کے 60% حصہ پر ناجائز قبضہ کرکے اس پر اسرائیل کی یہودی عبرانی ریاست قائم کرلی، اس وقت غزہ پٹی مصری انتظامیہ کے ماتحت تھی، اور مغربی کنارہ مملکت اردن کے زیر انتظام تھا، ۱۹۶۷ء تک یہ صورتِ حال برقرار رہی۔ پھر ۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کے بعد مغربی کنارہ اور غزہ پٹی کا علاقہ بھی یہودی ریاست کے زیر تسلط آگیا۔

فلسطین کی قدیم تاریخ

سامی عرب فلسطین کے خطہ میں حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے ۶ ہزار سال پہلے سے پائے جاتے ہیں جبکہ کنعانی عرب ۳ ق م میں یہاں آباد ہوئے تھے، اور اس سرزمین کو ارض کنعان کے نام سے پکارا جانے لگا تھا، یہ خطہ اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد قوموں کی تاخت اور یورشوں کا نشانہ بنا رہا ہے، ان میں سے بعض قومیں یہاں مستقل آباد ہوگئیں، بعضوں نے اسے اپنا ماتحت بنانے پر اکتفا کیا، ان میں خاص قومیں درج ذیل ہیں، عموری، کنعانی، یبوسی، جرجاشی عرب اور عمالقہ، یہ سب ۳۰۰۰ ق م سے ۲۵۰۰ ق م کے مابین فلسطین میں ہے۔ فرعونوں نے ۲۵۰۰ ق م اس پر یورش کی، فرزی اور رفائی قوموں نے ۱۸۰۰ ق م میں حتی قوم نے ۱۷۵۰ ق م میں، حوریوں نے ۱۵۰۰ ق م میں، پلستیوں نے ۱۱۹۹ ق م میں، بنو اسرائیل نے ۱۱۲۰ ق م میں، پھر ۷۳۳ ق م میں آشوری آئے، بابلیوں نے ۵۸۶ ق م میں اس پر تاخت کی ایران کا حملہ ۵۳۹ ق م میں ہوا، ۳۳۲ ق م میں یہاں یونانی اقتدار قائم ہوا، رومی یلغار ۶۳ ق م میں ہوئی، اس کے بعد ۵۳۹ سے ۶۳۶ تک بازنطینی سلطنت رہی۔ ۶۳۶ء (۱۵ھ) میں عرب مسلمانوں نے اسے فتح کیا اور یہیں سے اس کی اسلامی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

فلسطین کی اسلامی تاریخ کی کچھ جھلکیاں

۱۔ ۶۳۶ء (۱۵ھ) یرموک کا معرکہ پیش آیا جس میں عرب مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی اور ان کے لیے فتحِ شام کا دروازہ کھل گیا۔

۲۔ ۶۳۶ء (۱۵ھ) کے سال بیت المقدس فتح ہوگیا۔ اس غزوہ میں تین ہزار صحابہٴ کرام لشکر اسلام میں شامل تھے، حضرت عمرؓ بطریق فرانیوس سے یروشلم کی کنجیاں لیتے ہیں اور عیسائیوں کے لیے اپنا مشہور امان نامہ (العہدۃ العمریۃ لکھتے ہیں) جس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ یہودیوں کا شہر سے اخراج کردیا جائے گا۔

۳۔ ۱۰۹۹ء (۴۹۳ھ) میں یورپ سے صلیبیوں کا لشکر جرار فلسطین پر حملہ کرتا ہے اور وہاں عیسائی صلیبی حکومت قائم کرلیتا ہے۔ صلیب وہلال کی معرکہ آرائی از سر نو شروع ہوجاتی ہے۔

۴۔ ۱۱۸۷ء (۵۸۳ھ) میں معرکہٴ حطین ہوا، جس میں غازی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی قیادت میں مسلمانوں کو صلیبیوں پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

۵۔ ۱۲۶۰ء (۶۵۸ھ) میں معرکہ عین جالوت ہوا، اس میں تاتاریوں کی وحشی اور خون آشام فوجوں پر مملوکی سلطان قطز کی قیادت میں مصری فوج کو فتح حاصل ہوتی ہے اور عالم اسلامی سے تاتاری خطرہ وہیں پر رک جاتا ہے۔

۶۔ ۱۵۱۶ء (۹۲۲ھ) میں ممالیک اور عثمانی سلطان سلیم اول کے مابین معرکہ مرج دابق ہوا، عثمانیوں کی فتح ہوئی اور فلسطین اور پورا عالم عربی خلافت عثمانیہ کا جزء بن گیا۔ پھر ۴ صدیوں تک اس ارض مقدس کا دفاع عثمانی تلوار کرتی رہی۔

۷۔ ۱۹۱۴ء (۱۳۳۶ھ) کو پہلی عالمی جنگ ہوئی جس میں اتحادیوں کے مقابلہ میں دولت عثمانیہ کو ہزیمت ہوئی، انگریز فلسطین میں داخل ہوگئے ۲/۱۱/۱۹۱۷ء کو منحوس اعلان بالفور کیا گیا جس کی رو سے فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن بنانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

۸۔ ۱۹۴۸ء (۱۳۶۸ھ) میں فلسطین کے 60% حصہ میں صیہونی حکومت اسرائیل کا ناجائز قیام ہوا۔

۹۔ ۱۹۶۷ء (۱۳۸۷ھ) جون میں دوسری عرب اسرائیل جنگ ہوئی جس میں یہودیوں کو مکمل فتح حاصل ہوئی اور باقی فلسطین (غازہ پٹی اور مغربی کنارہ و بیت المقدس پر) بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔

۱۰۔ ۱۹۸۷ء (۱۴۰۸ھ) ثورۃ المساجد (مساجد کا انقلاب) یعنی پہلا عام فلسطینی انتفاضہ شروع ہوا۔

۱۱۔ ۲۰۰۰ء (۱۴۲۱ھ) سے دوسرا انتفاضہ شروع ہوا جسے انتفاضہ الاقصی کا نام دیا گیا اور جو گزشتہ ۴ سال سے ابھی تک جاری ہے۔ اور اسی عرصہ میں فلسطینیوں اور اسرائیل کے مابین معاھدوں کی تین کوششیں جارحیت کے باعث ناکام ہو گئیں۔

فلسطین کے اہم شہر

فلسطین کا جغرافیائی رقبہ کافی چھوٹا ہے، اس کے باوجود اس کا شمار دنیا کے کثیر آبادی والے علاقوں میں کیا جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ء (۱۳۶۸ھ) میں اس میں تقریباً ۲۷ شہر اور ۹۳۵ گاؤں تھے۔ بدوی بود و باش رکھنے والے صحرا نشین قبائل ان کے علاوہ ہیں، یعنی اسرائیل مقبوضہ فلسطین کے خاص خاص شہر یہ ہیں۔

۱۔ بیت المقدس (یروشلم)

تاریخ کے طالب علم کو یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ امن وسلامتی کی خوشبو القدس کے نام ہی سے پھوٹتی ہے۔ مشہور عام بات یہ ہے کہ اس شہر کی اصل کنعانی قبیلہ یبوس کی طرف منسوب ہے، جو ہزار قبل مسیح جزیرہ نماء عرب سے فلسطین کی طرف ہجرت کر گیا تھا۔ اور القدس کے علاقہ میں آباد ہوا تھا۔ اسی وقت سے ان لوگوں نے اس شہر کو ترقی دی اور اسے ''یروشلم'' یا ''شلم'' کا نام دیا جو ان کے خدا شالیم یعنی امن کے دیوتا سے منسوب کیا گیا تھا۔ اس وقت سے باہر کے لوگ یہاں برابر آتے رہے اور یہ سب آنے والے زیادہ تر بتدریج مقامی آبادی میں جذب ہوتے رہے اور انہیں کا ایک حصہ بن گئے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی اس شہر کا ایک ممتاز پہلو ہے، کہ کثرت میں وحدت، عدم افتراق دوسروں کو قبول کرنے، ان کا خاتمہ نہ کرنے اور کنارے پر نہ لگانے کی خصوصیت رکھتا ہے اور

یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی دینی اخلاقی مسلمہ ومشترکہ قدریں جن کا خلاصہ امن وسلامتی، ہم آہنگی اور بھائی چارہ ہے۔ یہاں عروج پر تھیں۔ القدس تقدس کے اوج پر اس وقت پہنچا جب ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں مسلمانوں نے اسے فتح کرلیا اس فتح میں خلیفہ اسلام حضرت عمر بن الخطاب بنفس نفیس بیت المقدس تشریف لائے اور بطریق ''صفرانیوس'' اور دوسرے عیسائیوں پادریوں اور راہبوں سے شہر کی حوالگی کی شرطوں پر بات چیت کی، جس کے نتیجہ میں القدس بغیر کسی جنگ کے فتح ہوگیا اور حضرت عمرؓ نے وہ مشہور امان نامہ لکھا جو تاریخ میں ''العہدۃ العمریۃ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

القدس کی قدیم تاریخ پر ایک نظر

آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ القدس کی تاریخ تقریباً ۵ ہزار سال پرانی ہے، البتہ آرکائیولوجیکل تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شہر کی نشو ونما ۳۰۰۰ ق م میں ہوئی، ابلا اور ''تل مردیخ'' کی دستاویزات میں اسے شالم بتایا گیا ہے جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ اس سے مراد القدس ہی ہے کیوں کہ مصری دستاویزات میں اس کا نام ''اورشالم'' یا ''اوروشلم'' آیا ہے یہ عموری نام ہے، عموری ہی کنعان کے اصل باشندے تھے، بلکہ مورخین کے خیال سے کنعانی عموریوں ہی کی ایک شاخ ہیں واضح رہے کہ مذکورہ مصری دستاویزات بھی ۲۰۰۰ ق م کے ہیں۔ شالم یا اوراشلم کے لفظی معنی امن وسلامی کے شہر کے ہیں۔ ۳۰۰۰ ق م میں اس شہر میں یبوسی آکر آباد ہوئے تھے۔ اور ان کے نام کی وجہ سے اس شہر کو ''یابوس'' یا ''یبوس'' بھی کہا جانے لگا، مصر کے علاقہ تل العمارنہ میں جو مخطوطات برآمد ہوئے ہیں وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔۔ قابل ذکر یہ ہے کہ امن کا شہر اسے اس لیے کہا جاتا تھا کہ ایک عادل وکنعانی بادشاہ جسے ملک صادق بھی کہتے ہیں یہاں حکمراں تھا، پھر مذکورہ تمام مصری دستاویزات اس شہر کے بارے میں ۱۵۵۰ء اور ۱۳۵۸ ق م کی درمیانی مدت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

یبوسی عربوں کے عہد میں شہر یوروشلم شمال میں موجودہ رام اللہ شہر تک پھیلا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف نشیبی علاقوں تک چلا گیا تھا، کھدائی کرنے والوں نے موجودہ القدس کے جنوب میں ٹھیکروں کے ایسے نمونے پائے ہیں جو قدیم یبوسی شہر کے ہیں اور ۳۰۰۰ سے لے کر ۲۱۰۰ ق م کے

بتائے جاتے ہیں اس شہر کی ابتدا ایک فوجی قلعہ کی صورت میں ہوئی تھی جب کہ کنعانی ایک بڑی مملکت کی تاسیس کی کوشش کر رہے تھے اور اسی کوشش کے میں انہوں نے نابلس، بیسان، مجیدف عسقلان جیسے بہت سے چھوٹے بڑے شہر آباد کیے تھے قلعہ یوروشلم صرف ان کا صدر مقام نہ تھا بلکہ ان کی سلطنت کے شمالی اور جنوبی دونوں حصوں کو ملاتا اور بیرونی حملہ آوروں کے خلاف ایک مضبوط دفاعی مورچہ بھی تھا، نئی تحقیقات یہ بھی بتاتی ہیں موجودہ قدیم بیت المقدس کی بنیادی ہیئت اور تعمیر قدیم یبوسی شکل پر ہے جو کہ یبوسی فن عمارت میں طاق تھے اور جنہوں نے بڑے بڑے پتھر کاٹ کر گھر بنانے میں مہارت حاصل کر لی تھی، اسی طرح شہروں کے گرد فصیل بنانے کا رواج بھی تھا۔ یہودی جب مصر سے نکلے تھے انہوں نے اس سرزمین پر تاخت کی تھی۔ اس وقت یہاں کے رہنے والے کنعانی تھے اور بول چال کی زبان بھی کنعانی تھی۔ البتہ سرکاری زبان بابلی تھی۔

شہر کا مذہبی تقدس

یبوسی عرب القدس کو اتنی اہمیت اس وجہ سے دیتے تھے کہ وہ اسے ایمان و توحید کا مرکز سمجھتے تھے، تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یبوسی قدیم ادوار کی توحید پرست قوموں سے تعلق رکھتے تھے، ان کی ایک مخصوص عبادت ایل عیلون یعنی ''بڑا خدا'' کے نام سے مشہور ہے، ان کی متعین رسموں اور عبادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس شہر کو زبردست احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اسی شہر میں انہوں نے اپنے معبود شالیم کا ہیکل بنایا تھا جو یہودیوں کے مرعومہ ہیکل سے ۱۰۰۰ سال پرانا ہے اسی طرح انہوں نے ''صہیون'' نام کا قلعہ بنایا تھا جس کا مطلب بلند ٹیلہ ہوتا ہے، یہ ایک کنعانی لفظ ہے اور اسی وجہ سے قدیم شام میں بہت سے بلند مقامات پر اس کا اطلاق ہوتا تھا یبوسی اس شہر کی جس طرح تقدیس کرتے تھے اس کا پہلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب حضرت ابراہیم مصر سے لوٹتے ہوئے دوسری بار ۱۹۰۰ ق م میں ارض کنعان پہنچے اور وہاں کے بادشاہ ملک صادق نے ان کا استقبال کیا، انہیں مبارکبادی اور ان کے لیے کھانا اور نبیذ پیش کی اور یہ استقبال اور ضیافت اپنے عبادت کے لیے مخصوص غار میں کی تھی جیسا کہ کتاب مقدس میں اس کے الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اس نے اپنے فوجیوں کو بھی جن کی تعداد ۳۱۸ تھی شہر میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا کیوں وہاں لڑائی حرام تھی

ابراہیم اور ملکی صادق کے مابین جو دوستانہ تعلقات قائم ہوئے اسی وجہ ابراہیم نے اپنے بیٹے کی قربانی دینی چاہی تو اسی کے عبادت والے غار کو منتخب کیا یہی وہ روحانی تعلق ہے جس کی بنیاد پر بعد میں یہ شہر تینوں آسمانی مذاہب اسلام سیات اور یہودیوں کا یکساں قابل احترام مقام بن گیا، یہ وحی بنا اور اسے ہزاروں انبیاء کے مسکن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے بعد دنیا میں یہ تیسرا شہر ہے جو عالم اسلام میں تقدیس کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اسی میں مسجد اقصی ہے۔ بیت المقدس فلسطین کے عین قلب میں واقع ہے۔اور بحر متوسط سے ۵۲ کلومیٹر کی دوری پر ہے۔

نبی علیہ کی آزاد کردہ لونڈی حضرت میمونہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیت المقدس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''بیت المقدس جاؤ وہاں نماز پڑھو (واضح رہے کہ وہ زمانہ جنگ کا زمانہ تھا) آپؐ نے مزید فرمایا کہ اگر تم وہاں آجا سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو اس کے لیے تیل بھیجتے رہو جو اس کے چراغوں میں جلایا جاتا ہے۔(احمد ابوداؤد ابن ماجہ، صاحب مجمع الزوائد نے اس روایت کو صحیح بتایا اور اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔

لیکن اب المناک طور پر القدس کے حالات بالکل بدل چکے ہیں، جن کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب ۱۹۱۷ء ہی عثمانی ایمپائر سے برطانوی فوجوں نے (عربوں کی مدد سے) القدس پر قبضہ کرلیا، اور برطانوی مینڈیٹ قائم کیا گیا، پھر صیہونی تحریک برپا ہوگئی اسی سال اعلان بالفور ہوا پھر عالمی اور مقامی سطح پر ایسے حالات پیدا ہوتے چلے گئے جو ۱۹۴۸ء میں اسرایل ریاست کے (ناجائز) قیام پر منتج ہوئے۔اس کے بعد جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل نے شہر کے مشرقی حصہ پر قبضہ کر کے اسے بھی باقی شہر سے ملادیا اور اس کو یہودیانے اور اسے واحد اور ابدی دار الحکومت قرار دینے کا اعلان کیا، اور اس سلسلہ میں تمام عالمی فیصلوں سلامتی کونسل جنرل اسمبلی اور یونیسکو کی قرار دادوں کی خلاف ورزی کی۔

اس کے بعد یہودیوں نے اسے یہودیانے اور اس کے تہذیبی ادارتی، اجتماعی، ثقافتی اور دینی علامت کو مٹانے اور انہیں یہودیت کے رنگنے اردو عرب باشندوں سے اسے خالی کرا کران کی جگہ دنیا بھر سے یہودیوں کو بلا کر انہیں آباد کرنے کا عمل جاری کر دیا۔

۲۔الخلیل (ھیبرون)

اسے الخلیل سیدنا حضرت ابراہیمؑ کی نسبت سے کہتے ہیں کہ وہ ان کا اور حضرت ہاجرہ نیز حضرت اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہم السلام کا مدفن بھی ہے۔ الخلیل مغربی کنارہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کے باشندوں کی تعداد تقریبا ایک لاکھ بیس ہزار ہے یہاں دینداری اور مضبوط سماجی اور معاشرتی تعلقات کی فضاء پائی جاتی ہے، اس جگہ کو رسولؐ نے حضرت تمیم داری کو عنایت فرمایا تھا، یہی شہر فاتح اندلس اور شمالی افریقہ کے والی بن نصیر کی جائے پیدائش بھی ہے۔

۳۔نابلس

یہ شہر مغربی کنارہ کے شمال میں مشرق و مغرب کے مابین ایک کھلی وادی میں واقع ہے، اس کے جنوب میں جبل جرزیم اور شمال میں عیبال پہاڑ ہے بحر متوسط کے ساحل سے اس کی دوری لگ بھگ ۴۲ کلومیٹر ہے۔ اسے صحابی جلیل حضرت عمرو بن العاص نے فتح کیا تھا اور اس کے باشندوں کی تعداد تقریبا ایک لاکھ تیس ہزار ہے۔ چونکہ یہ شہر ہمیشہ مختلف انقلابات وتغیرات کی آماجگاہ رہا ہے، اس لیے اسے جبال النار (شعلوں کے پہاڑ) بھی کہا جاتا ہے۔ تعلیم وثقافت میں اس نے خاص شہرت پائی اور عالم اسلام کی جلیل القدر علمی ہستیوں کا تعلق اسی سے رہا ہے۔ مثلاً ابن قدامہ مقدسی النابلسی، المرداری السفارینی اور شیخ محمد عزۃ دروزہ۔

۳۔غزۃ

اصل نام غزۃ ہاشم ہے اور یہ نام نبی کریمؐ کے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی طرف منسوب ہے جن کی وفات اور تدفین اسی جگہ ہوئی تھی، یہ بعثت نبوی سے پہلے کی بات ہے۔ غزۃ فلسطین کے جنوبی منطقہ اور بحر متوسط کے ساحل پر واقع ہے اس کی اسٹریٹجک اہمیت سب سے زیادہ یوں ہے کہ مصر اور شمالی افریقہ کی طرف جانے والا راستہ اسی سے ہو کر گزرتا ہے۔ غزۃ امام شافعی کا مولد و مسکن بھی ہے انہوں نے اس کی محبت اور اشتیاق سے لبریز شعر کہے تھے۔

وانی لمشتاق إلی أرض غزة

وان خانني بعد التفرق كتماني

سقی اللہ ارضا لوظفرت بتربھا   کحلت بہ من شدۃ الشوق اجفانی

(**ترجمہ:** میں غزہ کو دیکھنے کے لیے بے چین ہوں، گرچہ جدائی کے بعد اب یہ آرزو شاید پوری نہ ہو سکے، اللہ اس سرزمین کو سیراب کرے جس کی مٹی اگر مجھے مل جاتی تو محبت واشتیاق سے میں اسے اپنی آنکھوں میں لگا لیتا۔)

۴۔ یافا

عروس بحرمتوسط یافا کنعانی لفظ یافی (خوبصورت) کی بدلی ہوئی شکل ہے یہ اب یہودیوں کے قبضہ میں ہیں۔ اس سے کچھ ہی فاصلہ پر اسرائیل کا موجودہ دارالحکومت تل ابیب شہر آباد کیا گیا ہے۔ یافا غاصبوں اور بیرونی حملہ آوروں کے مقابلہ ومزاحمت کی ایک تاریخ رکھتا ہے۔ مشہور فلسطینی قائد حسن سلامہ کا مستقر بھی یہی شہر تھا، یافا اپنی بندرگاہ، تجارتی سرگرمی اور کھٹی چیزوں کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔

۵۔ عکہ

اس کو قاہرۃ الغزاۃ (حملہ آوروں کو عاجز کرنے والا) بھی کہتے ہیں، یہ بحر متوسط کے ساحل پر واقع ہے۔ جرجاشی عربوں نے اسے تین ہزار ق م میں بسایا تھا اسے خلافت عمرؓ کے زمانہ میں صحابی جلیل حضرت شرجیل بن حسنہؓ ۶۳۶ء (۱۶ھ) میں فتح کیا تھا، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے شام کی ولایت کے زمانہ میں یہاں بحری بیڑہ تیار کرنے کا مرکز قائم کیا اور عکہ کو پہلی اسلامی بندرگاہ بنادیا تھا، جہاں سے قبرص اور روڈوس وغیرہ کی طرف بحری مہمیں روانہ کی گئیں یہی وہ شہر ہے جہاں سے مشہور فرانسیسی سپہ سالار نپولین بونا پارٹ ۱۷۹۹ء کو فلسطین پر اپنی یلغار کے وقت ناکام اور بے نیل مرام لوٹ جانا پڑا تھا۔ بیت لحم عیسائیت میں ایک مخصوص امتیاز کا حامل ہے۔ ان شہروں کے علاوہ جنین، تلکرم، بیت لحم، اور رملہ بھی مشہور شہر ہیں۔ رملہ اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے آباد کیا تھا۔ فلسطینی اتھارٹی کا ہیڈ کوارٹر اسی شہر میں ہے۔

فلسطین کی اہم مساجد

مسجد اقصیٰ

ایک لمبے میدان کی شکل میں قدیم یوروشلم میں واقع ہے،اس کا طول مغربی سمت میں 490 میٹر، مشرق میں 484 میٹر اور شمال میں 321 میٹر ہے۔اس میدان کے چاروں طرف ایک قدیم فصیل ہے جس میں 10 دروازے کھلے اور 4 بند ہیں اس احاطہ میں اسلامی میوزیم لائبریری اور پانی کی سبیلیں ہیں نیز اس کے اندر بہت ساری اسلامی یادگاریں ہیں جن کی کل تعداد 52 ہے اسی میدان کے بیچوں بیچ آٹھ شکلی مسجد ہے جسے مسجد گنبد صخرۃ کہتے ہیں اور مسجد اقصی کے نام سے جو عمارت مشہور ہے وہ اس میدان کے جنوبی گوشہ میں ہے۔ جس کا طول 80 میٹر اور عرض کل 55 میٹر ہے۔
مسجد اقصیٰ مسجد حرام کے ۴۰ سال بعد بنائی گئی ، اس کی تجدید اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۷۲ھ ہی میں شروع کی تھی جسے ولید بن عبدالملک نے تکمیل کو پہنچایا۔ مسجد اقصی مشہور عام قول کے مطابق مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے (بعض محققین کی تحقیق میں وہ قبلہ اول نہیں۔قبلہ ہمیشہ کعبہ رہا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مفتاح القرآن اول صفحہ) اور رسول اکرمؐ کے سفر معراج کی پہلی منزل ہے اس کی طرف شدرحال کیا جاتا ہے، مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد اس مسجد میں عبادت کا ثواب سب سے زیادہ ہے، یعنی یہاں ایک وقت کی نماز ۵۰۰ نمازوں کے برابر ہے۔
(مسجد قبۃ صخرۃ اور مسجد اقصی میں جو فرق ہے اس کے لیے ملاحظہ کریں راقم کی کتاب ارض مقدس پر یہودی ظلم وجبر کی داستان صفحہ ۱)

مسجد ابراہیمی

حضرت ابرہیم خلیل اللہ کی نسبت سے اسے ابراہیمی مسجد کہتے ہیں وہ شہر الخلیل کے وسط میں ہے، مسلمان سلاطین (بنوامیہ ، بنوعباس اور مالک) اس مسجد میں مسلسل توسیع اور تجدید تعمیرات کرواتے رہے ، اسی وجہ سے آج یہ اسلام کی بڑی مساجد میں سے ایک ہے، اب اس کے بڑے حصہ پر

یہودیوں کا قبضہ ہے، بروز جمعہ ۱۵ رمضان ۱۴۱۴ھ کو یہودی شرپسندوں نے بوقت نماز فجر اور بطور خاص جب لوگ نماز کے سجدہ کی حالت میں تھے گولیاں چلائیں اور سینکڑوں نمازیوں کو شہید اور زخمی کر دیا تھا۔

مسجد الجزار

عکہ کی جامع مسجد ہے۔ اس کی عمارت عثمانی فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ سوق ابیض کے آخر میں واقع ہے اس کی تعمیر ۱۷۸۱ء (۱۱۹۶ھ) میں احمد جزار پاشا نے کی تھی، اور اس کے لیے کئی اوقاف مختص کیے تھے، مسجد کے ساتھ مدرسہ احمدیہ بھی ہے، جس میں ایک بڑی لائبریری ہے، اس لائبریری میں بہترین قدیم کتابیں اور نادر مخطوطات پائے جاتے ہیں۔

مسجد یافا الکبیر

شیخ محمد بہی الامام نے اس کی تعمیر ۱۷۴۵ء (۱۱۵۸ھ) میں کی تھی اس کے لیے بھی کئی اوقاف متعین تھے، اس میں دو منزلے اور ایک بہترین مکتبہ تھا، اس کی وسیع صحن میں تعلیم و تدریس کے حلقات لگائے جاتے تھے، برج الساعۃ کے سامنے اور شہر کے عین وسط میں یہ مسجد پڑتی ہے، اس میں متعدد مرمریں ستون ہیں جنہیں قیساریہ اور عسقلان کے ملبوں سے نکالا گیا تھا۔

فلسطین میں دینی تعلیم و تربیت کی موجودہ صورتحال

فلسطین میں موجودہ ناگفتہ بہ اور پر آشوب صورتِ حال کے باوجود دینی تعلیم و تربیت کا تھوڑا بہت اہتمام پایا جاتا ہے اور مختلف سطحوں اور درجوں کی درسگاہیں موجود ہیں جو فلسطینی عربوں کی تعداد کے پیش نظر تو انتہائی ناکافی ہیں لیکن پھر بھی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ان سے ہو رہی ہے، البتہ اعلیٰ عصری اور ٹیکنکل تعلیم سے متعلق معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ شرعی اور دینی تعلیم گاہوں میں متوسط درجہ کی عصری تعلیم بھی ہوتی ہے، اس کے بعد عالم عربی کے دوسرے کالجوں وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لیکن ایسا کرنے والے لوگ گنے چنے ہیں۔

ذیل میں دینی تعلیم کے سلسلہ میں کچھ معلومات دی جارہی ہیں:

یونیورسٹی سطح کی تعلیم

اس وقت علوم شرعیہ کے سات کالج موجود ہیں۔

۱۔ کلیۃ الدعوۃ واصول الدین (بیت المقدس) مسجد اقصی کے احاطہ میں اس کالج کے طلبہ کا ایک بڑا ہاسٹل ہے۔

۲۔ کلیۃ الشرعیۃ جامعۃ الخلیل۔ الخلیل

۳۔ کلیۃ الشریعۃ / جامعۃ النجاح / نابلس۔ اس میں اسلامک اسٹڈیز میں M.A تک کی ڈگری دی جاتی ہے۔

۴۔ کلیۃ الشریعۃ / جامعہ اسلامیہ غزہ۔

۵۔ کلیۃ اصول الدین / جامعہ اسلامیہ غزہ۔

۶۔ کلیۃ الدعوۃ والعلوم الاسلامیۃ / ام الفحم

۷۔ کلیۃ الشریعۃ اور اسلامک اسٹڈیز کالج / یافۃ الغربیۃ

ان تعلیم گاہوں میں زیادہ تر وہ اساتذہ ہیں جنھوں نے ازہر یونیورسٹی القری مکہ المکرمۃ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ الامام محمد بن سعود ریاض سے M.A کی ڈگری لی یا ڈاکٹریٹ کیا ہے۔

گریجویشن کی سطح کے کالج

دو شرعی کالج اس مرحلہ کی تعلیم دیتے ہیں۔

۱۔ کلیۃ العلوم الاسلامیۃ / ابودیس، القدس

۲۔ کلیۃ العلوم الاسلامیۃ / قلقیلیۃ۔

۳۔ ابتدائی وثانوی درجات کی تعلیم گاہیں۔ یہ کل ملا کر ۵ ہیں۔

۱۔ مدرسۃ الاقصی الشرعیۃ اس کا مستقر مسجد اقصی میں ہے۔

۲۔ مدرسة الخليل الشرعية/الخليل۔

۳۔ مدرسہ نابلس الشرعیہ/نابلس

۴۔ مدرسہ جنین/جنین

۵۔ معھد الازھر الدینی۔غزۃ۔

حفظ قرآن کے مدرسے

یہ تقریباً ۳۰۰ ہیں، اور اکثر و بیشتر مساجد کو مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں فلسطین کے مختلف شہروں، دیہاتوں اور پناہ گزیں کیمپوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ان میں ناظرہ قرآن، حفظ قرآن قرأت و تجوید کے احکام اور تفسیر قرآن کے اسباق ہوتے ہیں۔

فلسطینی اتھارٹی

نام نہاد (اوسلو معاہدہ) کے تحت فلسطینیوں کو ایک چھوٹا سا حصہ دیا گیا، جو غزہ پٹی مغربی کنارہ اور چند اور چھوٹی چھوٹی خستہ حال بستیوں پر مشتمل ہے اس پر فلسطینی اتھارٹی کی انتظامیہ قائم کی گئی، اِس کے اخراجات یوروپی یونین ، امریکہ اور بعض عرب ملکوں کے چندوں سے چل رہے ہیں۔جن کے چیرمین یاسر عرفات ہیں، لیکن اس اتھارٹی کے علاقہ میں بیچ بیچ میں اسرائیلی سیٹلمنٹ قائم ہیں، جس کی مستقل حفاظت کے لیے اسرائیل فوجیں یہاں رہتی ہیں، فلسطین کے حصہ کے پانی کا ۸۰ فیصد یہودیوں کے استعمال میں آتا ہے، غزہ اور جریکو اور مغربی کنارہ پر اسرائیلی جب چاہتے ہیں مزید بستیاں تعمیر کرلیتے ہیں، فلسطینی اتھارٹی کے پاس ایک چھوٹا ہوائی اڈا تھا ۲،۳ جہاز تھے، ایک ریڈیو اسٹیشن تھا، اور اتھارٹی کے دفاتر اور مراکز اور فلسطینی پولیس کی چوکیاں تھی، جاری انتفاضہ کے دوران اسرائیل نے ایک ایک کرکے اس چھوٹے سے اسٹرکچر کو بھی تباہ کردیا ہے، اور اب یاسر عرفات اپنی رہائش گاہ میں مقید ہیں انہیں وہاں سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ شیخ احمد یاسین کی شہادت کے بعد اسرائیل ان کو بھی قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

عصامی سوسائٹی

۱۹۴۸ء میں تقسیم فلسطین اور پھر اسرائیل کے ذریعہ تقریباً پورے فلسطین پر قبضہ کر لیے جانے کے بعد اسرائیل کے اندر رہنے والے فلسطینی (جن کی تعداد یہودیوں سے کہیں زیادہ تھی اور جو مستقل ہجرت سے گھٹتی چلی گئی) اس معاشرے میں تقریباً اجنبی بن کر رہ گئے۔ کہنے کو تو بعض اسرائیلی عربوں کو اسرائیلی پارلیامنٹ کا ممبر بھی بنایا گیا لیکن وہ محض دکھاوا تھا کیوں کہ جب ملکی سلامتی اور فوجی بجٹ اور اسلحہ کی خریداری، خارجہ پالیسی اور اعلیٰ جنس کے معاملات پر بحث ہوتی تو انہیں عربی ہونے کے سبب پارلیامنٹ سے نکال دیا جاتا۔ اس کے علاوہ خود عربوں میں چند ہی ایسے لادین عناصر ہیں جو ۱۴/ ۱۹۴۸ کو جو اسرائیل کے یوم آزادی کی حیثیت میں مناتے تھے اور اپنے کو اسرائیلی باشندہ تصور کرتے ہیں۔ لیکن فلسطینی عوام کی اکثریت اسلام سے وابستہ رہی اور آزادی کے سپنے دیکھتی رہی، اسے باہر کی عرب حکومتوں پر بھروسہ تھا، تاہم ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد عربوں کی بدترین ہزیمت کے بعد فلسطینیوں میں زبردست مایوسی پھیل گئی اور اس کے بعد نئی دینی بیداری اور سیاسی شعور سامنے آیا اور ان کے اندر کئی اسلامی تنظیموں، سوسائٹیوں نے دینی بیداری کا کام شروع کر دیا، گویا ۱۹۶۷ء کی شکست ایک نئی بیداری کا پیش خیمہ بن گئی۔۔۔۔ اس کے بعد اوسلو کا ڈرامہ رچا گیا جس کے سراب میں پی ایل او اور اس کے قائد یاسر عرفات پھنس گئے۔ عرب ممالک کی مایوس کن صورت حال کو دیکھ کر نتیجہ یہ ہوا کہ فلسطینیوں کی تمام تر توجہ داخلی بیداری پر مرکوز ہو گئی، اور انہوں نے مقبوضہ فلسطین نیز غزہ اور مغربی کنارہ میں نئے مراکز اور سوسائٹیاں قائم کرنی شروع کر دیں تحریک اسلامی فلسطین کے ایک اہم قائد شیخ رائد صلاح نے ایک ایسی ہی سوسائٹی قائم کی ہے جس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

عصامی سوسائٹی کے اہم شعبہ جات

۱۔ قومی ادارہ برائے آزادی فلسطینی اسیران

۲۔ جمعیۃ اقرأ (طلبہ یونین)

۳۔ ادارہ الاقصیٰ برائے حفاظت مقدسات اسلامیہ

۴۔حقوق انسانی کی جائزہ کمیٹی

۵۔زکوۃ کمیٹی

٦۔مرکز مطالعات جدیدہ

۷۔کفالت اجتماعی سوسائٹی

۸۔انسانی امداد کا ادارہ

۹۔النور سوسائٹی برائے علوم وتحقیقات (دعوۃ اور علوم اسلامیہ کالج)

۱۰۔انسانی امداد کمیٹی

۱۱۔ماؤں اور بچوں کی خبر گیری کا ادارہ

۱۲۔آراضی اور آبادی کی تحقیق کا ادارہ

۱۳۔البلاغ سوسائٹی (صوت الحق اور مجلّہ اشراقہ اس کا ترجمان ہے)

۱۴۔اسلامی تنظیموں کا وفاق

۱۵۔مرکز ہلال احمر (القدس)

۱۶۔ادارۃ حرا (حفظ قرآن کے لیے)

۱۷۔ادارہ الفجر برائے علوم وفنون اور آرٹ

۱۸۔ادارہ ''الدوریٰ'' برائے ورزش

۱۹۔ادارہ ''لد'' رملہ، یافا (برائے تربیت)

۲۰۔ادارہ عکا برائے ثقافت وترقی

۲۱۔ادارہ حیفا (زہرۃ الکرمل)

ان تمام اداروں کی متعدد ذیلی شاخیں، مراکز، انجمنیں پروگرامس ہیں جن میں بعض بعض پروجیکٹس مساجد کی از سر نو تعمیر، مسجد اقصیٰ کی حفاظت اور فلسطینی آبادیوں، املاک اور جائدادوں کی حفاظت کے لیے ہیں اور ان کی شاخیں، مقامی یونٹیں مقبوضہ فلسطین کے ہر بڑے شہر اور قصبہ میں ہیں، یہ سارے پروجیکٹس اپنی اہمیت اور افادیت کی بنیاد ایک آزاد خود فلسطینی ریاست کی تمہید بھی بن سکتے ہیں اور

ان کے بانی مبانی شیخ رائد صلاح کے الفاظ میں یہی ان کا مقصد بھی ہے کہ فلسطینی باہر کی دنیا پر انحصار نہ کریں دوسروں کی مدد کے بھروسہ نہ بیٹھیں بلکہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوں اور اپنی آزادی کی لڑائی خود لڑیں۔'' عصامی سوسائٹی کے یہ سارے پروگرام اور پروجیکٹ ابھی صرف کاغذی منصوبہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جب تک عالم عرب اور عالم اسلام کا سرگرم اور تعاون انہیں نہیں ملتا، انہیں عملی جامہ پہنانا ممکن نہ ہوگا۔

فلسطین ارض مبارک

فلسطین کا مسئلہ ایک اسلامی مسئلہ ہے تاریخی، تہذیبی اور مذہبی بنیادوں پر اس سرزمین کے حقیقی اور جائز وارث اور حق دار مسلمان ہیں، قرآن، حدیث اور تاریخ اسلام تینوں سے یہ چیز صراحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، جب کہ یہودیوں کا ایسا دعویٰ تاریخی طور پر قابل تسلیم نہیں ہے، قرآن اس سرزمین کو ارض مبارک قرار دیتا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کی ہجرت کے بارے میں آیا ہے:

ونجینه ولوطا إلى الارض التى باركنافيها.(انبياء: ۷۱)

''ہم نے انہیں اور لوط کو نجات دی اور انہیں اس زمین کی طرف بھیج دیا، جس میں ہم نے برکت دی تھی''

حضرت سلیمان کے تذکرہ میں کہا گیا ہے :

ولسليمان الريح عاصفة تجرى بأمره إلى الارض التى باركنا فيها(انبياء: ۸۱)

''اور سلیمان کے لیے ہم نے ہوا کو مسخر کردیا، جو ان کے حکم پر اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی۔''

اسی طرح اور بھی متعدد مقامات پر اسے سرزمین خیر و برکت سے متصف کیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو سبا ۱۸، التین ۱۳۰ اسرائیل) ایک مقام پر اسے مقدس بھی کہا گیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ بن اسرائیل سے کہتے ہیں یاقوم أدخلوا الأرض المقدسه التى كتب الله لكم (مائدہ ۲۱) (اے میری قوم کے لوگو اس مقدس سرزمین کی طرف جاؤ جو تمہارے لیے اللہ نے مقدر کردی ہے)

فلسطین ارض انبیاء

اسی طرح فلسطین انبیاء ورسولوں کی سرزمین بھی رہا ہے، قرآن نے ایسے 25 انبیاء کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے بیشتر کا تعلق اسی علاقہ سے رہا ہے، قدیم زمانے سے ہی اللہ کے اولو العزم انبیاء اور رسولوں کے مبارک قدم اس زمین پر پڑتے رہے ہیں۔ ابو الانبیاء اور ملت ابراہیمی کے بانی حضرت ابراہیم اپنے بھتیجے جناب لوطؑ اور اہلیہ محترمہ سارہ کو لے کر عراق سے ہجرت کر کے اسی علاقہ کی طرف آتے ہیں اور یہاں سکونت اختیار کرتے ہیں، ذریت ابراہیمی میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ پیدا ہوتے ہیں، جن میں سے اسماعیلؑ اور ان کی والدہ محترمہ ہاجرہؑ کو انہوں نے اللہ کے حکم سے مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا، اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں کو لے کر وہاں کعبۃ اللہ کی تعمیر کی، اپنے دوسرے فرزند حضرت اسحاقؑ کو کنعان میں بسایا جنہوں نے یوروشلم میں مسجد بنائی، جس کی توسیع بعد میں حضرت سلیمانؑ کے ہاتھوں ہوئی، اسحاقؑ اور یعقوبؑ نے یہاں وفات پائی، ان کے بیٹے یوسفؑ کو قافلہ والے کنویں سے نکال کر مصر لے گئے اور وہیں سے بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے، پھر موسیٰؑ اور ہارون بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لائے اور اسی ارض مقدس کی طرف لے چلے لیکن اس میں داخل ہونے سے پہلے ہی اللہ نے دونوں حضرات کو اپنے ہاں بلالیا، موسیٰؑ کے خلیفہ خاص یوشع بن نون بنی اسرائیل کو لے کر 40 سال بعد اس سرزمین میں داخل ہوئے، اس کے بعد داؤد اور سلیمان وہاں ایک عظیم مملکت کی بنیاڈالتے ہیں یوروشلم (بیت المقدس) اس کا صدر مقام ہوتا ہے یہیں وہ مسجد اقصیٰ کی از سر نو تعمیر کرتے ہیں۔ پھر زکریا، یحیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے اولوالعزم انبیاء بھی اسی خاک سے اٹھتے ہیں۔ اور آخر میں قصر نبوت کی آخری اینٹ، اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے مقام اسراء اور آسمانوں کی معراج کا شرف بھی اسی سرزمین کو حاصل ہوتا ہے جہاں آپ براق کے ذریعہ تشریف لاتے اور انبیاء کی امامت کرتے ہیں، حضرت انسؓ سے

روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتیت بالبراق، وھو دابة ابیض، قال فرکبته حتی اتیت بیت المقدس قال فربطته بالحلقة التی تربط بھاالانبیاء ثم دخلت المسجد فصلیت فیه رکعتین ثم خرجت ۔رواہ مسلم۔

(میرے پاس براق لایا گیا جوایک سفید جانور تھا، میں اسپر سوار ہوا، اور بیت المقدس تک آیا، میں نے اسے اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے تمام انبیاء باندھتے آئے ہیں۔ پھر میں مسجد میں داخل ہوااور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر نکل آیا۔)

امت مسلمہ کی ایک خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ اس میں قیام حق کی جدو جہد اور تجدید واصلاح کی ایک مسلسل روایت پائی جاتی ہے، متعدد احادیث میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اس امت میں ایک گروہ حق پر رہے گا اور وہ اپنے دشمنوں کی تمام چالوں اور ہتھ کنڈوں کے باوجود کامیاب وکامران ہوگا، مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروہ بھی بیت المقدس اوراس کے اطراف میں پایا جائے گا، روایت کے الفاظ ہیں:

لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق الی قیام الساعة لایضرھم من خذلھم قیل: این ھم یا رسول الله ؟قال ھم فی بیت المقدس واکناف بیت المقدس رواہ احمد.

میری امت کاایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا۔ اس کے دشمن اسے کچھ نقصان نہ پہنچاسکیں گے۔ پوچھا گیا، یارسول اللہ وہ کہاں ہوں گے، فرمایا: وہ بیت المقدس اور بیت المقدس کے آس پاس میں ہوں گے، متعدد احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ (مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد) مسجد اقصی وہ تیسرامقام ہے جہاں ایک وقت کی نماز 500 نمازوں کے برابر شمار کی جاتی ہے اور جس کی طرف شدرحال (یعنی دوردراز سے سفر کر کے زیارت کے لیے جانا) کیا جاسکتا ہے، ان آثاروروایات کے باعث صدر اسلام ہی سے مسلمانوں نے مسجد اقصی اور فلسطین کے پورے علاقہ کو اپنی دینی، فکری علمی اور تہذیبی تاریخ کا غیر منفک جزء سمجھا ہے، اور اس سے ان کی علمی وتہذیبی اور ثقافتی روایات بہت ہی گہرائی کے ساتھ وابستہ رہی ہیں۔

فلسطین اسلامی تہذیب وثقافت کا مرکز

جب سے اس سرزمین میں صحابۂ کرام کے مبارک قدم پڑے، اسی وقت سے یہ علمی وفکری سرگرمیوں کا مرکز بن گئی جس میں مسجد اقصی کا ایک خاص رول رہا، اس تعلق سے فلسطین ایک نہایت مردم خیز علاقہ رہا ہے، اسی کے ایک شہر غزۃ میں حضرت امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی۔ اس کے شہر عسقلان کی خاک سے مشہور محدث حافظ ابن حجرؒ عسقلانی اٹھے، فقہ حنبلی کی مشہور ترین کتابیں تین ہیں، المغنی، الکافی، المقنع، اور تینوں کے مصنف ابن قدامہ المقدسی النابلسی ہیں، جو فلسطین کے مشہور علمی شہر نابلس کے ایک گاؤں جماعیل میں پیدا ہوئے تھے، انہوں نے ۱۲۲۳ء (۶۲۰ ھ) میں وفات پائی، الکمال اور عمدۃ الاحکام کے مؤلف حافظ عبدالمغنی بن عبدالواحد مقدسی (وفات ۱۲۰۳ء (۶۰۰ ھ) کا تعلق بھی یہیں سے تھا، نیز ان کے علاوہ احمد بن حسین الرملی (م ۸۴۴ھ۔ ۱۴۴۰ء) محمد بن احمد السفارینی (م ۱۱۸۸ھ۔ ۱۷۷۴ء) فاتح اندلس موسی بن نصیر جن کا تعلق شہر الخلیل سے تھا، اور جن کے مشہور سپہ سالاروں میں طارق بن زیاد تھے، رجاء بن حیوہ کندی (م ۱۱۲ھ۔ ۷۳۰ء) جن کی کوششوں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو زمامِ خلافت سونپی گئی، اور مشہور عربی نثر نگار وانشاء پرواز عبدالحمید بن یحی الکاتب (م ۱۳۲ھ۔ ۷۵۰ء) بھی فلسطین کے مشاہیر میں سے ہیں۔

فلسطین ارض شہداء

یہی وہ خاص وابستگی اور تعلق ہے جس کی وجہ سے ہر دور میں مسمانوں نے اس سرزمین کو اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز رکھا اور اس کی حفاظت کی خاطر ہر طرح کی قربانیاں دیں اور اسے اس شعر کا صحیح مصداق بنادیا کہ:

اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
اب تک تری رگوں میں ہے خوں رواں ہمارا

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تاریخ اسلام میں شہیدوں کا جتنا لہو فلسطین کی سرزمین میں بہا اس کی بہت کم مثالیں ہیں، صدر اسلام میں امین الامت ابوعبیدہ بن الجراح اور سیف اللہ اور بن الولیدؓ داہیۃ

العرب عمرو بن العاصؓ اور شرجیلؓ بن حسنہ کی قیادت میں جب عربوں اس خطہ کو فتح کیا تو اجنادین نحل، عیساریہ اور انطاکیہ کے میدانوں میں صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت نے جام شہادت نوش کیا، چوتھی صدی ہجری عالم اسلام زوال کا شکار ہوا، اور صلیبی یوروپ نے ۴۹۳ھ (۱۰۹۹م) کو بیت المقدس پر قبضہ کرلیا، سقوط فلسطین کے اس پہلے سانحہ میں لاکھوں فرزندان توحید کا خون اس سرزمین میں جذب ہوا، صرف یوروشلم میں یکبارگی ۷۰ ہزار مسلمان مرد، بوڑھے عورتیں بچے ذبح کردیے گئے، مسجد اقصیٰ خون کے تالاب میں بدل گئی جس میں جگہ جگہ کٹے پھٹے انسانی اعضا تیرتے پھرتے تھے۔ القدس کی گلیوں، چوباروں اور نالیوں میں ان کے کٹے سر، پھٹے پیٹ، ناک کان کٹی لاشیں آگ میں جلے اعضا بکھرے پڑے تھے، پھر امت میں روحِ جہاد بیدار ہوئی اور عمادالدین زنگی سے لے کر نورالدین زنگی، شیرکوہ اور صلاح الدین ایوبی تک جہاد وعزیمت کی ایک نئی تاریخ رقم کی گئی، اور القدس کی بازیابی کے لیے ہزارہا توحید پرستوں نے جانوں کے نذرانے پیش کیے اس کے مابعد عالم اسلام کو تاتاری یلغار کا سامنا کرنا پڑا، اور اس قیامت صغریٰ میں بغداد سے لے کر شام تک آگ اور خون کا طوفان آگیا، لاکھوں انسانوں کا ایسا قتل عام کیا گیا کہ جس کی نظیر تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی، تاریخ نے ہمیشہ کے لیے چنگیز وہلاکو کے نام خون آشامی اور درندگی کے لیے اپنے رکارڈ میں درج کرلیے، بالآخر (۱۲۶۰ء، ۶۵۸ھ) مصر کے بہادر سلطان امیر قطز اور اس کے فوجی قائد بیبرس کی تدبیر وشجاعت اور انقلابیت نے فلسطین کے مقام عین جالوت میں تاتاریوں کے دانت کھٹے کردیے اور انہیں شرمناک شکست سے دوچار کیا۔ اس معرکہ میں بھی اسلام کے فرزندوں نے دفاع اسلام کے لیے اپنا گرم گرم خون پیش کیا، دور جدید میں ۱۷۹۹ء، (۱۲۱۴ھ) میں نیپولین بوناپارٹ نے فلسطین پر حملہ کیا اور عکہ کی دیواروں تک پہنچ گیا۔ لیکن مجاہدین کے دستوں نے یکے بعد دیگرے اپنے کو میدان جنگ میں جھونک دیا اور بالآخر اسے بے نیل مرام واپس لوٹنا پڑا، اسی تاریخ کی بنا پر فلسطین کو ارض شہداء بھی کہا جاتا ہے، اور اب جب سے اسرائیل کا ناجائز وجود ہوا ہے نہتے اور بے سروسامان، فلسطینی عرب قدس کی بازیابی کے لیے جان ومال کی قربانیاں دے رہے ہیں ۱۹۴۸ سے لیکر اب تک بلا مبالغہ ہزاروں فلسطینی مجاہدین شہید ہو چکے ہیں جن میں چند اہم نام یہ ہیں شیخ فرحان سعدی، شیخ

عزالدین القسام، ڈاکٹر عبداللہ عزام، حسن سلامہ، خلیل الوزیر، ڈاکٹر فتحی شقاقی، انجینئر یحییٰ عیاش، شیخ صلاح شحادہ، اسماعیل ابوشنب وغیرہم جن میں اب شیخ احمد یاسین کا پاک خون بھی شامل ہوگیا ہے۔

بیسویں صدی میں فلسطینی جہاد حریت کی چند جھلکیاں

فلسطین تاریخی تسلسل کے ساتھ حق و باطل کے مابین رزم آرائی کا مرکز رہا ہے، بیسویں صدی کے آغاز ہی سے اس دائمی کش مکش کا ایک نیا دور شروع ہوگیا تھا۔ باطل کے نئے حملے ہوئے اور نئی یلغاریں ہوئیں، ۱۹۱۷ء (۱۳۳۶ھ) میں انگریزی تسلط قائم ہوا اور اس کے مابعد یہودی صہیونی تاخت ہوئی جواب بھی قائم ہے، اِس پورے عرصہ میں فلسطینی قوم اپنی تمام بے سروسامانی کے ساتھ اپنی عزت وآبرو دین اور وطن کے دفاع کے لیے جانوں کے نذرانے پیش کرتی رہی۔ اس مبارک سرزمین پر بیسویں صدی کے کچھ خاص معرکوں کی جھلکیاں درج ذیل ہیں۔

۱۔ ۱۹۲۰ء (۱۳۳۹ھ) جشن حضرت موسیٰ کا انقلاب۔

۲۔ ۱۹۲۱ء (۱۳۴۰ھ) مئی کا انقلاب۔ ۳۔ ۱۹۳۹ء (۱۳۴۸) البراق کا انقلاب۔

۴۔ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۸ء (۱۳۵۵ھ تا ۵۸ھ) عظیم فلسطینی انقلاب۔

۵۔ ۱۹۴۷ء۔ ۱۹۴۸ء (۱۳۵۵ھ تا ۵۸) فلسطین اور دوسرے عربی ملکوں کے رضا کار مجاہدین (کتائب الایمان) کی سرفروشانہ کاروائیاں۔

۶۔ ۱۹۶۷ء۔ ۱۹۷۰ء (۱۳۸۷ھ۔ ۱۳۹۰ھ) طمغربی کنارہ اور غزہ پر یہودی قبضہ کے بعد فدایانہ کاروائیاں۔

۷۔ ۱۹۸۷ء۔ (۱۴۰۸ھ) پہلا فلسطینی انتفاضہ (ثورۃ المساجد)

۸۔ ۲۰۰۰ء (۱۴۲۱ھ) دوسرا فلسطینی انتفاضہ، (انتفاضہ الاقصیٰ) تا حال جاری

اے پرستاران نغمہ چھوڑ کر تار رباب
آج کچھ دکھتی رگوں پر انگلیاں رکھتا ہوں میں

مسئلہ فلسطین: ایک دل خراش داستان

مختصراور سرسری جائزہ

گزشتہ ۵ دہائیوں سے عالم عرب میں جس مسئلہ پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے، بلاشبہ وہ مسئلہ فلسطین ہے۔ عربی زبان میں ایک پورا مکتبہ اس موضوع پر وجود میں آچکا ہے، دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی اس موضوع پر تحقیقی کام ہوا ہے۔ اس کے خاص ماہرین بھی موجود ہیں، خودنئی دہلی کے ایک ادارہ معہد الدراسات الاسلامیہ نے اس پر انگریزی میں تین مبسوط قسطوں پر مشتمل ایک دقیع دستاویز شائع کی ہے،، فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی ۲۵ بھی اس موضوع پر کام کررہا ہے، لیکن اس مسئلہ کو جس انداز سے لیا گیا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ مغرب صرف مسلمانوں کا دشمن نہیں بلکہ ہر غیر سفید کے خلاف ہے اور جرمن ڈکٹیٹر ہٹلر کے مظالم کی وجہ سے صلیبی مغرب کی ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ ہوگئیں، پھرانکے معاشی مفادات بھی یہودیوں کے ساتھ وابستہ تھے اس وجہ سے انھیں سرچھپانے کے لے ناجائز ہی سہی، ایک جگہ مغرب نے دلوادی۔ ایک حدتک یہ بات درست ہے کہ لیکن وہ محض ادھوری حقیقت ہے اس مسئلے کی جڑیں فی الواقع جدید یہودی مذہبی فکر میں پائی جاتی ہیں۔ جوایک لمبا موضوع ہے یہاں اس پر گفتگونہیں کی جاسکتی۔ مغربی دنیا سے عرب قیادتیں آج بھی آس لگائے ہوئے ہیں کہ اقوام متحدہ اور امریکہ انکے مسئلہ کوحل کردیں گے، دیکھاجائے تو یہ بات زمینی حقائق کامنہ چڑھانے کے مترادف ہے، واقعہ یہ ہے کہ پوراعالم عرب اوراس کے حکمراں اس مسئلہ پرشدید بے سمتی کاشکار ہیں۔

یاسرعرفات کی قیادت میں فلسطینیوں کا جوقافلہ اوسلو سے حق خودارادیت کے مقصد کی طرف روانہ ہواتھاوہ اک ایسا کارواں بن گیا ہے جس پروہی اعرابی والی مثل صادق آتی ہے کہ:

کیس رہ کہ تومی روی بتر کانست

(اے اعرابی تو مکہ جانا چاہتا ہے لیکن جس راستہ پرچل رہا ہے وہ ترکستان جاتا ہے)

یہ معاہدہ دراصل جابر ومجبور کے مابین ہوا تھا۔ جب کہ اول روز سے ہی جابر کی نیت بھی خراب تھی، ایسے میں معاہدہ اوسلو کا نتیجہ وہی ہوا جو دنیا کے قانون کے مطابق ایسے معاہدوں کا ہوا کرتا ہے۔
فلسطین کا مسئلہ دراصل صدیوں سے زیر زمین چل رہے صیہونی عزائم کا شاخسانہ ہے، جو جنگ یہودی اس وقت عالم اسلام سے لڑ رہے ہیں وہ کئی سو سال پیشتر مختلف علمی، فکری اور ثقافتی محاذوں پر مسیحیت سے لڑ چکے ہیں جس میں انھیں مکمل کامیابی ملی۔ اور مسیحیت بحیثیت ایک عقیدہ قریب قریب ختم ہو کر رہ گئی، کیتھولک چرچ نے تھوڑی سخت جانی کا مظاہرہ کیا۔ اس کا وجود تو باقی رہ گیا لیکن اس عقیدہ شکست وریخت سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، البتہ یہودیوں کے مفاد میں تھا کہ اس کی ظاہری شکل باقی رہے چنانچہ بظاہر آج بھی دنیا بھی میں عیسائیوں کی اکثریت ہے، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ محض فریب نظر ہے اور آج مسیحی دنیا کا بیشتر حصہ یہودیوں کا عمیل وآلہ کار ہے پروٹسٹنٹ کھلے عام ان کی حمایت کرتے اور ان کی طرف مائل ہیں، امریکہ اور برطانیہ اور ان کا خانہ زاد اقوام متحدہ جس طرح شروع سے آج تک اسرائیل کی حمایت کرتا آرہا ہے۔ وہ سب کے سامنے ہے خود عیسائی دنیا کے کلیدی سیاسی منصب پر یہودی بالواسطہ یا بلاواسطہ قابض ہیں۔ برطانیہ کا وزیر خارجہ بالفور ایک یہودی تھا جس نے اعلانِ بالفور کیا تھا ہربرٹ صموئیل برطانیہ کی وزارت میں وزیر نوآبادیات تھا، انتداب کے بعد اسی کو فلسطین کا ہائی کمشنر بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس نے برطانوی حکومت کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں فلسطین کے اندر 40 لاکھ یہودیوں پر مشتمل ایک یہودی مملکت قائم کرنیکی سفارش کی گئی تھی (فلسطین والموامرۃ الکبری صفحہ ۱۰۰) لائڈ جارج برطانیہ کی فوجی انتظام کمیٹی کا صدر ایک پرانا یہودی تھا، اور 1916 میں وہ وزیر اعظم کے عہدہ تک پہنچ گیا، اس کے علاوہ مارکس سائیکس نائب وزیر جنگ بھی متعصب یہودی تھا۔ صیہونیوں سے بات چیت کے لیے سرکاری طور پر اسی کو نامزد کیا گیا تھا۔

۱۔ مغربی دنیا پر یہودی فکر دنیا پر کیسے غالب آگئی یہ ایک تحقیق طلب موضوع ہے تاہم یہاں بعض اہم نکات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ ایک مکتبہ فکر کے مطابق یہودیت نے عیساؤں کو اچھی طرح حصار میں لینے کے بعد ایک طرف تو ایک لمبی اور زیر زمین سازش کا جال بنا، پھر نشاۃ

ثانیہ کا تصور گھڑا اور بعض عیسائی پادریوں کو اپنا آلہ کار بنا کر انہیں مسیحیت میں اصلاح کے نام پر کتر بیونت کرنے پر لگا دیا جس کے نتیجہ میں نئے مغربی مفکرین نے جدید مغربی تہذیب کو الحادی بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔

۲۔ اور دوسری طرف مغربی عیساؤں کو ان کی آپس کی جنگوں میں بھاری سود پر قرضے دیئے پھر مختلف مالیاتی اداروں اور بینکوں (Guilds) کے ذریعہ سے پوری دنیا کے معاشی سسٹم کو اپنے قبضہ میں کر لیا، اپنے من پسند مالیاتی ادارے اور انجمنیں دنیا بھر میں قائم کر کے دنیا کے ہر خطہ میں سود کے نظام کو عملاً رائج کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ W.B.IMF اور دوسری NationalMult Multi باڈیاں، مالیاتی ادارے سب یہودیوں کے خانہ زاد ہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اپنے عمیل عیسائیوں کے ذریعہ صلیب مسیح کے الزام سے برأت کا فتوی حاصل کر لیا۔ چنانچہ پوپ نے یہ فتوی جاری کر دیا کہ مسیح کو صلیب انکے زمانے کے یہودیوں نے دلوائی تھی۔ آج کی یہودی نسل اپنے اجداد کے جرم کی سزا نہیں بھگت سکتی۔

۴۔ چوتھے یہ کہ انھوں نے اپنے واحد مد مقابل خلافت عثمانیہ کو توڑنے میں کامیابی حاصل کر لی، اب وہ امت مسلمہ کے مرکزی ادارہ کو توڑ چکے تھے اور اس قابل تھے کہ اس زخم خوردہ امت کو مختلف اور متعدد ناموں، نسلوں اور قومیتوں میں بکھیر دیں۔

۵۔ پانچویں یہ کہ یہودیوں نے اس بات کا بھرپور اندازہ کر کے کہ اکیسویں صدی ذرائع ابلاغ کی صدی ہوگی، ذرائع ابلاغ کی دنیا پر مکمل طور پر قبضہ جما لیا، شروع میں ابلاغِ عامہ کو رواج دینے کے لیے مطبع چھاپے خانوں، نیوز ایجنسیوں اور پریس کے شعبوں کو ترقی دینے کی ضرورت تھی، لہٰذا ان میدانوں میں یہودی دماغوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا، نتیجہ یہ تھا کہ دنیا کے سارے بڑے اخبار، ساری بڑی اور بنیادی نیوز ایجنسیاں اور تمام بڑے پریس یہودیوں کی بالواسطہ یا بلاواسطہ ملکیت میں آگئے، دوسرے دور میں جب مواصلات کی دنیا میں دھماکہ خیز تبدیلیاں رونما ہوگئیں تو یہودیوں نے فوری پلاننگ کے ساتھ، کمپیوٹر ولڈ (Syber Space) ٹی وی انٹرنیٹ وغیرہ پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی، اب

صورت حال یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کے تینوں شعبوں، مقروء (Written) مسموع (Audible) اور بصری (Vediable) پر یہودیوں اور ان کے ھمدردوں کا قبضہ ہے، امریکہ جرمنی، فرانس اور انگلینڈ کے سارے براڈ کاسٹنگ اداروں پر ان کی گرفت مضبوط ہے، پوری دنیا کی News Agencies وغیرہ کو انہیں کے ذریعہ سے اطلاعات فراہم کی جاتی ہیں جن کا بیشتر حصہ جھوٹ اور افتراء اور یہودیوں کی من پسند چیزوں پر مبنی ہوتا ہے، ہندوستان میں RSS کا ٹولہ بھی یہودیوں کی نقالی کی کوشش کرتا ہے۔

۶۔ مشرق وسطی کے پورے خطہ پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے اس کے چاروں کونوں پر اپنے آلہ کاروں کو اقتدار کی کنجیاں دیدیں، جن میں اردن کا ہاشمی خاندان، مصر کے حکمراں اور عراق کی بعث پارٹی (اب اس کا اقتدار ختم کردیا گیا) شام کا نصیری طاغوت، الجزائر کا بورقیبہ اور اس کے جانشین اور مراکش کا مولائی خاندان شامل ہیں خاص جزیرۃ العرب (قلب اسلامی) کو چھوٹی چھوٹی اِمارتوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔ ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے عملی اقدامات کا آغاز کیا، اور بعد میں حالات ٹھیک اسی رخ پہ چلتے رہے جیسے یہودی چاہتے تھے۔ اسرائیل کا قیام (1948) ہو یا سانحۂ مسجد اقصیٰ (1967) خلیج کی جنگ ہو یا بوسنیا اور کوسوو کا قتل عام (1992) افغانستان کی تاراجی (2001) ہو یا عراق کا سقوط (2003) ان ساری اسلام دشمن سرگرمیوں میں حیرت انگیز ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ یہودی صدیوں تک صلیبیوں کے ہاتھوں انتہائی وحشتناک مظالم برداشت کرتے رہے فرانس کے بادشاہ فلیپ اول نے 1498ء میں ایک آرڈینس جاری کیا تھا اور تمام یہودیوں کو فرانس سے بھاگ جانے کا حکم دیا تھا۔ اور پھر ۱۴۹۸ الویس (XII) نے انہیں عیسائیت قبول کرلینے یا ملک بدر ہونے کا حکم دیا انگلینڈ میں ایڈورڈ اول نے ۱۲۹۰ء ایک آرڈینس جاری کر کے تمام یہودیوں کو ملک سے نکل جانے کا حکم دیا۔ عیسائی پادری گھوم گھوم کر انہیں کافر قرار دیتے تھے۔ (فلسطین سازشوں کے نرغہ میں صفحہ ۵۳)

جرمنی روس اور ہسپانیہ میں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا تھا ان کی آبادیاں الگ ہوئی تھیں جنہیں Ghetto کہا جاتا تھا۔ یہ مسلمانوں کی رعایت اور رواداری ہی تھی کہ جب یورپ میں انہیں جادو کے الزام میں زندہ جلانا ایک معمولی بات ہوا کرتی تھی اس وقت انہیں مسلمانوں کے یہاں پناہ ملتی تھی، بلکہ مسلم خلفاء وسلاطین نے انہیں عزت بھی دی تھی، سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے، انہیں بلند عہدے دیے، عثمانی خلیفہ بایزید ثانی نے ۱۴۹۳ء میں ایک فرمان جاری کیا اور عثمانی مملکت میں آباد یہودیوں کے ساتھ، چاہے وہ کہیں کے بھی ہوں، حسن معاملہ کی تاکید کی۔ (الادارۃ العثمانیہ عبدالعزیز عوض صفحہ ۵۷)

لیکن یہودیوں کی روایت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے محسنوں کو ڈنک مارتے رہے ہیں، چنانچہ انیسویں صدی کے اوائل میں تمام یہودی دماغ ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے پوری دنیا پر قبضہ کرنے کے لیے اپنی دستاویز کو حتمی شکل دی، جسے پروٹوکولز آف لرنڈ ایلڈرز آف زایون (Protocols of lerned elders of zion) کہا جاتا ہے، (واضح رہے کہ ان پروٹوکولز کو یہودی دشمنوں کا ساختہ بھی بتایا جاتا ہے) اس عہد میں صہیونیت کے اولین معمار ہرٹزل نے ایک کتاب (Jevish state) لکھی اور ریاست اسرائیل کے خدوخال کا مکمل نقشہ پیش کیا، اس موقع پر یہودیت نے پوری دنیا پر باضابطہ کنٹرول میں رکھنے کے لیے ایک خطہ کے حصول کے لیے سوچا، اب تک وہ دنیا کے مختلف حصوں میں بطورِ خاص ایران کے علاقہ اصفہان وغیرہ کو گڑھ بنا کر زیرِ زمین سرگرمیاں جاری رکھتے تھے۔ چنانچہ اِس مقصد سے لیبیا، یوگنڈا، لائبریا، برقہ اور ارجن ٹائنا کا بھی جائزہ لیا گیا، اور وہاں یہودی ریاست کے قیام کے ضروری امکانات کو تلاش کیا گیا، لیکن اندرونی اختلاف ہوجانے کے سبب صہیونی تحریک نے فلسطین کو پاس کیا، اس کے بعد ہی فلسطین کی واپسی کا نعرہ ایجاد کیا گیا، ساری دنیا میں یہودیوں کی مظلومیت کے ڈھنڈورے پیٹے گئے، پہلے سے ہی فلسطین کو وہ ارض موعود کہتے تھے، اور ہزاروں سال سے یروشلم جاکر دیوارِ گریہ کے سامنے روتے اور اپنی زمین کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔ اس وقت خلافت عثمانیہ موجود تھی جو سخت مشکلات میں پھنسی ہوئی تھی، چنانچہ انہوں نے عثمانی خلیفہ سے سودے بازی کرنی چاہی، لیکن

غیور خلیفہ نے ٹکا سا جواب دیدیا، اب انہوں نے دولتِ برطانیہ سے سودا کرلیا، برطانیہ اس وقت کی سب سے بڑی طاقت اور صلیب کا علمبردار تھا اور عالم اسلام کے بیشتر ملکوں اور علاقوں پر اسی کا قبضہ تھا فلسطین بھی اس کے انتداب (Madndate) کے تحت تھا جسے ایک فوجی حکومت کے طور پر فلسطین میں رکھا گیا تھا، یہودی سودی ساہوکاروں کی دولت کے لالچ، صلیبی تعصب اور خلافتِ عثمانیہ کو ختم کرنے کی شدید خواہش نے انگریز کو سودے بازی پر آسانی سے آمادہ کرلیا چنانچہ برطانوی وزیر بالفور (Balfor) نے فلسطین میں یہودیوں کا وطن بنائے جانے کا اعلان کردیا، عربوں نے احتجاج تو بہت کیا لیکن: کون سنتا ہے فغانِ درویش۔

یہودیوں نے دنیا کے مختلف علاقوں سے اسرائیل کا رخ کرنا شروع کردیا اور اپنی آبادیوں اور قلعوں کی حفاظت کے لیے نجی فوج تک رکھنے کی اجازت حاصل کرلی جب انگریزی فوج کی ۲۰ سالہ انتظامیہ ختم کرکے وہاں سول حکومت قائم کی گئی تو اس کا گورنر بھی ایک یہودی کو بنا کر بھیج دیا گیا۔ جس کے زمانہ میں آرمینیہ وغیرہ سے یہودیوں کے ریلے کے ریلے آکر جمع ہوگئے، انہوں نے مسلح گروپ (ہاگاناہ) بنا کر بدامنی، لوٹ مار اور قزاقی شروع کردی، جنگ عظیم اول ختم ہو چکی تھی اس کے بعد استعماری قوتوں نے مجلس اقوام (Leage of nations) بنائی تھی جس کے ذریعہ دنیا کے چھوٹے اور کمزور ملکوں کی بندر بانٹ ہونے لگی اور نئے حالات میں نئے انداز سے استعماری رنگ بھرا جانے لگا، اس وقت پورا عالم اسلام اور بالخصوص عالم عرب بے حسی اور غفلت کے حصار میں ڈوبا ہوا تھا، اکیلا اقبال ہی آنے والے دور کو دیکھ دیکھ کر تڑپ رہا تھا، حکیم مشرق نے لیگ آف نیشنز پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ

(میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ چند کفن چوروں نے قبروں کی تقسیم کے لیے ایک انجمن بنائی ہے)
مجلس اقوام سے اپنے مفادات پورے کرنے کے بعد یہودی بازی گروں نے اسے توڑ کر UNO کی بنیاد ڈالی، اسی یو این او نے ۱۹۴۸ء میں فلسطین کو تقسیم کردیا، ایک حصہ یہودیوں کو دیا گیا

دوسرا حصہ عربوں (فلسطینیوں) کے لیے متعین کیا گیا، جس کے ایک حصّہ کو مصر نے اپنی نگرانی میں لے لیا اور اردن نے اپنی سرحدوں سے متصل علاقہ کو اردن سے ملا لیا، اسی طرح فلسطینیوں کو جو علاقہ ملا بھی اسے خود عرب ہی ہضم کر گئے۔ اس سے پہلے ہی فلسطینیوں کی تحریک مزاحمت شروع ہو چکی تھی، جس نے 1943 سے 1946 تک چھوٹے چھوٹے گوریلا گروپ تشکیل دے کر اپنے حقوق کی لڑائی لڑنی شروع کر دی تھی۔ لیکن عربوں کی اندھی اور بے بصیرت قیادت نے بدترین کردار کا مظاہرہ کیا، عرب حکمرانوں نے انگریز کے وعدوں پر اعتبار کر کے فلسطینی قائدین کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی مسلح جدوجہد ختم کر دیں، اس کے بعد فلسطینی قیادت کو مختلف ملکوں میں منتشر کر دیا گیا، ان کی پکڑ دھکڑ ہوئی، ان سے ہتھیار چھین لیے گئے اور اس طرح عربوں نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری، حالانکہ عرب حکمراں اگر اسی وقت فلسطینی مزاحمت کو نہ کچلتے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے تو اس تحریک کی کامیابی کے امکانات روشن تھے، سارے عرب عوام میں ایک جوش و خروش تھا، اور ان کی پر جوش حمایت فلسطینیوں کو حاصل تھی، ایک طرف بے بصیرتی کا یہ مظاہرہ تھا۔ دوسری طرف دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں نے اپنی تقویت کی یہ تدبیر کی کہ ہزاروں یہودی نوجوانوں کو اتحادی فوج میں بھرتی کرا دیا، جس سے ایک طرف تو ان کی فوجی تربیت ہوگئی، دوسری طرف پورے اتحاد محاذ کی حمایت بھی انہیں مل گئی یہودیوں کی سب سے بڑی مسلح اور دہشت گرد تنظیم ہاگاناہ کو ہی مئی 1948 میں اسرائیلی ڈفینس فورس (I.D.F) میں تبدیل کر دیا گیا۔

جنگ ختم ہوتے ہی انگریز نے عیاری سے کام لیا اور فلسطین کا نظم و انصرام کسی فریق کے حوالے کیے بغیر ہی، نیز طے شدہ وقت سے پہلے ہی وہ فلسطین کو چھوڑ گئے، یہودی پہلے سے تیار تھے، انہوں نے کسی غیر معمولی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر فلسطین کے بیشتر حصہ پر قبضہ کر لیا، اور اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا، امریکہ جو جنگ عظیم ثانی کے بعد سپر پاور کی حیثیت سے ابھر کا سامنے آیا تھا اس نے اعلان کے چند منٹ بعد ہی اسے تسلیم کر لیا، عربوں نے اسرائیل کو تسلیم نہ کر کے اس پر حملہ کر دیا ۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ ہوئی جس میں اردن اور مصر نے طے شدہ پلان کے تحت فلسطین کے بچے کچھے حصہ پر قبضہ کر لیا پھر ۱۹۶۷ء میں بھی عرب اسرائیل جنگ ہوئی جس میں

اسرائیل کو شاندار فتح اور عربوں کو بدترین ہزیمت ہوئی اس جنگ میں غازہ پٹی مغربی کنارہ اور القدس سب کچھ اسرائیل قبضہ میں آ گیا۔

امریکہ اور یو این کی ناانصافیوں پر مستزاد عرب قیادت کی ہمالیائی غلطیوں نے بھی فلسطینیوں کے کاز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا انہوں نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں ناکامی کے بعد اپنے دستوروں میں فلسطین کی آزادی (تحریر فلسطین) کو اولین مقصد اور اپنی پالیسی کی اولین ترجیح قرار دیا، لیکن اس کی بالکل الٹی سمت میں چلتے رہے، اپنے عوام پر ظلم کیا، ان سے اظہار رائے کی آزادی چھین لی، فلسطینیوں سے کہا کہ تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تمہاری لڑائی ہم لڑیں گے، جب کہ حقیقت یہ تھی کہ سیریا سے لے کر مصر و اردن تک سارے حکمراں صلیبی مغرب کے آلہ کار تھے، آئندہ مورخ لکھے گا کہ یہی حکمراں دراصل فلسطینیوں کے سب سے بڑے مجرم تھے، آنے والے نسلیں اور تاریخ ان طالع آزماؤں کو معاف نہیں کرے گی۔ ۱۹۵۶ میں بھی عربوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا حالانکہ اس جنگ میں امام حسن البناء شہید کی ریلی ''لبیک یا فلسطین'' نے عرب عوام میں بے پناہ جوش پیدا کر دیا تھا اور اخوان کے فوجی رضا کاروں نے سرکاری فوج کے مقابلے میں زیادہ پامردی اور استقلال کا مظاہرہ کیا تھا عوام کے دباؤ میں عربوں کی اس فوج نے یہودی ریاست پر یلغار کی تھی جس کے تمام سپاہی والینٹر تھے۔ صرف اردن کی فوج سرکاری تھی، اس کی قیادت بھی ایک انگریز گلوب پاشا کر رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا، جب اسرائیل عربی جوش و جذبہ کے سامنے پسپا ہو گیا، اسرائیل کی حالت اتنی خراب تھی کہ اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان نے اعتراف کیا تھا کہ اسرائیل کے پاس بہت تھوڑا اسلحہ رہ گیا تھا، لیکن اس جنگ کی کایا پلٹ کیسے ہو گئی؟ اس سوال کا جواب ابھی تاریخ کو فراہم کرنا ہے کہا جاتا ہے کہ ایک عرب حکمراں نے شباب کی ہوس میں ایمان بیچ دیا، کہا جاتا ہے کہ جنگ کے دوسرے دن کی رات اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا مائر نے اردن کے حکمراں امیر عبداللہ کے بستر میں گزاری تھی، طے شدہ پروگرام کے مطابق اردن کی فوج محاذ چھوڑنے لگی یوں اس جنگ میں بھی شکست عربوں کی مقدر بن گئی۔ البتہ ۱۹۷۳ میں مصری فوج نے جوش ایمانی کا مظاہرہ کیا تھا اور ابتداء میں اسے زبردست کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں عربوں کی اس

جزوی فتح نے اسرائیل کے ناقابل تسخیر ہونے کے غرور کو پاش پاش کردیا تھا دوسری طرف عربوں کے بارے میں یہ تصور بھی غلط ثابت ہوگیا کہ وہ جنگ کرنا نہیں جانتے۔ پھر امریکن یہودیوں کے دباؤ میں امریکہ نے براہ راست مداخلت کی، جدید امریکن اسلحوں سے عرب فوجی کیڑے مکوڑوں کی طرح مرنے لگے، ماسونی ایجنٹ اور مصر کے صدر انور سادات نے اسی کا بہانہ بنا کر جنگ بندی کا اعلان کردیا اور اس طرح اپنوں کی غداری سے ہی عرب ایک جیتی جنگ ہار گئے۔ اس کے بعد فلسطینی نوجوانوں نے صورتِ حال کا ادراک کر کے اپنی لڑائی خود لڑنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے بیروت اور اردن میں اپنے مورچے بنائے اور گوریلا وار کی تربیت گاہیں تیار کیں اور اسرائیل پر حملے شروع کردئے متعدد بار اسرائیل نے ان کے کیمپوں پر حملے کیے بمباری کی، اور کئی بار خود سیریا، لبنان اور اردن کی سرکاری فوجوں نے ان کے گلے کاٹے۔ اس کار خیر میں مملکت خداداد پاکستان آرمی نے بھی حصہ لیا تھا!!

نوجوانوں کی تنظیموں میں الفتح اور الجہاد اور بعد میں حماس مشہور ہوئیں، الفتح دراصل پی ایل او کی نیم فوجی تنظیم تھی۔ اس کے بعد پی ایل او کے قائد یاسر عرفات کو امریکہ اور اس کے حواریوں نے اپنے شیشہ میں اتار کر امن وامان اور فلسطینی ریاست کے قیام کے سراب میں گم کردیا، انہیں فلسطینیوں کا واحد ترجمان باور کرایا گیا۔ تاہم ان کی قیادت میں فلسطینی یوسف بے کارواں بن کر رہ گئے آج وہ کبھی اوسلو معاہدہ کے خوش نما خواب دیکھتے ہیں جن کی کوئی تعبیر نہیں، اور کبھی امریکہ اور عالمی رائے عامہ سے انصاف کی فضول توقعات باندھتے ہیں۔ اس گومگو کے عالم میں ایک اور مضبوط موقف سامنے آیا، اور وہ تھا "سبیلنا الجہاد" (جہاد ہمارا راستہ ہے) کا موقف جس کے علمبردار تھے حماس کے بانی اور قائد شہید شیخ احمد یاسین۔

نہ لے چل خانقاہوں کی طرف شیخ حرم مجھ کو
مجاہد کا تو مستقبل ہے میدانوں سے وابستہ

باب دوم

اف یہ جادہ کہ جسے دیکھ کے جی ڈرتا ہے
کیا مسافر تھے جو اس راہ گزر سے گزرے

شیخ احمد یاسین شہید

﴿اوراق حیات کی چند جھلکیاں﴾

نشوونما اور تعلیم وتربیت

الاستاذ شیخ احمد یاسین کی پیدائش ۱۹۳۸ء کو غزہ شہر کے جنوب میں ضلع مجدل کے ایک گاؤں جورہ میں ہوئی ، یہ گاؤں عسقلان نام کے مشہور تاریخی شہر کے کھنڈروں پر آباد ہے، جو غزہ کے شمال میں تقریباً ۲۰ کلومیٹر کی دوری پر بحر ابیض متوسط کے ساحل پر واقع تھا۔ شیخ کے گھرانہ میں احمد نام کے کئی افراد تھے، اس لیے امتیاز کی خاطر انہیں بچپن ہی سے والدہ محترمہ سیدہ سعدہ عبداللہ الہبیل کی نسبت سے احمد سعدہ کہا جانے لگا۔ والد اسماعیل کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب احمد سعدہ تین سال کے بھی نہیں تھے، وہ اپنے چار بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔ پہلے یہ خاندان جورہ میں ہی رہا ۱۹۴۸ء کے المیہ فلسطین کے بعد اسے غزہ کے علاقہ میں پناہ گزیں ہونا پڑا، جہاں غزہ کے ساحل پر مخیم الشاطئ (شاطئ کیمپ) میں انہوں نے تقریباً ۲۵ سال گزارے، یہیں وہ پلے بڑھے، یہیں تعلیم حاصل کی یہیں انہوں نے شادی کی اور ان کے اولاد ہوئی جس میں لڑکے لڑکیاں دونوں ہیں، شیخ کے کل گیارہ بچے ہوئے۔ بعد میں جب کیمپ کا مکان بال بچوں، مہمانوں، شاگردوں، مریدوں اور ملاقاتیوں کے لیے تنگ پڑ گیا تو وہ اپنے کنبہ کو لے کر غزہ شہر کے جنوبی محلہ جورۃ الشمس کے ایک سادہ سے مکان میں منتقل ہو گئے جہاں ملاقاتیوں، مہمانوں، مستفیدین اور رفقاء واحباب کی ہر وقت آمدورفت رہتی تھی۔ شیخ نہایت سادہ زندگی گزارتے اور دنیا وزخارف دنیا سے دور ونفور، ذاتی پنشن سے حاصل ہونے والی معمولی رقم پر گزر بسر کرتے تھے۔

۱۹۴۸ء کے المیہ فلسطین سے ذرا سا پہلے احمد سعدہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ جورہ گاؤں میں پڑھتے تھے جہاں انہوں نے پرائمری کی تیسری کلاس تک پڑھا۔ ہجرت کے بعد مخیم الشاطئی میں رہتے ہوئے غازہ شہر کے مدرسہ الامام الشافعی میں تعلیم شروع کی، یہ اس وقت شہر کا سب سے بڑا اسکول تھا یہاں دو ٹائم کلاسیں لگتی تھیں، صبح کے وقت غزہ کے لڑکوں کے لیے اور شام کے وقت پناہ گزینوں کے لڑکوں کے لیے۔ یہیں سے ۱۹۵۲ء کے آس پاس احمد سعدہ نے پرائمری تعلیم مکمل کی، اس کے بعد غزہ کے دوسرے اسکول مدرسہ الرمال الاعدادیہ میں داخلہ لیا ۱۹۵۵ء تک یہ مرحلہ بھی پورا ہوگیا۔ یہ بھی ایک اتفاق کی بات ہے کہ بعد کو اسی اسکول میں انہوں نے تعلیم و تدریس کے فرائض بھی انجام دئے۔ پھر وہ غزہ اور اطراف غزہ کے دوسرے لڑکوں کی طرح مدرسہ فلسطین الثانویہ میں منتقل ہوئے۔ جہاں سے ۱۹۵۸ء میں سکنڈری تعلیم مکمل کر لی، اس کے بعد یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور احمد یونیورسٹی سطح کی تعلیم حاصل نہ کر سکے، جس کی وجہ یہ تھی کہ فلسطینی مہاجرین شدید حالات کا سامنا کر رہے تھے اور ناسازگاری حالات کی وجہ سے اکثر فلسطینی خاندان یہ چاہتے تھے کہ ان کے بچے سکنڈری تک پڑھ لکھ کر کھانے کمانے لگیں اور اپنے کنبوں کی مدد کریں۔ پھر یونیورسٹی سطح کی تعلیم مال دار گھرانوں کے بچوں تک محدود تھی، یا وہ طلبہ اس میں جا سکتے تھے جنہیں اقوام متحدہ کی ریلیف ورک ایجنسی (UNRAWA) اپنے اخراجات پر اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجتی تھی، لیکن ایسے لوگ وہی ہو سکتے تھے جو لادینی اور سوشلسٹ رجحانات رکھتے ہوں، کیونکہ اس انجمن کے بیشتر ارکان اور عہدے دار کمیونسٹ فکر کے مالک تھے۔ نیز اس سے پہلے ہی نوجوان احمد کے ساتھ غیر معمولی حادثہ پیش آچکا تھا اور ان کی صحت بہت متاثر ہو چکی تھی، البتہ انہوں نے قاہرہ کی عین شمس یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی کوشش کی تھی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو گئے تھے اور ایک سال وہاں قیام بھی کیا تھا۔ لیکن بگڑتی صحت اور شدید حالات نے مزید تعلیم جاری رکھنے کی اجازت نہ دی۔ تاہم یہ کمی انہوں نے خود سے پوری کی اور دینی، لسانی، ادبی، سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی مضامین کا مطالعہ جاری رکھا۔ جس کا اثر بعد میں انکی خطابت میں ظاہر ہوا اور وہ نہ صرف علاقہ کے تمام واعظوں اور خطیبوں پر بھاری پڑتے گئے، بلکہ اپنی صلاحیت، اصابت رائے، وسعت قلب ونظر، غیرت دینی، حمیت قومی، ذکاوت طبع، نیکی وخلوص اور شجاعت کی بنیاد پر تمام فلسطینیوں کے روحانی

پیشوا، محترم رہنما اور محبوب قائد بن گئے، اور آگے چل کر انہیں کی رہنمائی میں مساجد شروع ہونے والے انتفاضہ (ثورۃ المساجد) کا آغاز ہوا جس نے فلسطین کی آزادی کی تحریک میں ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کرلی اور جو تحریک حماس کی بنیاد بنا۔

حادثہ سے گزرتے ہیں

اس زمانے میں مصر کی طرف آمد و رفت کی سہولیات کافی تھیں فلسطین کے تیزی سے بدلتے حالات کی بنا پر مصر کے اسلام پسندوں بطور خاص الاخوان المسلمون نے اس علاقہ پر خاص توجہ دی چنانچہ وہاں اخوانی علماء، خطباء، داعیوں اور رہنماؤں کی آمد و رفت بڑھ گئی۔ جس کی وجہ سے بیشتر فلسطینی نوجوان اخوان سے واقف اور بہتیرے اس سے وابستہ ہو چکے تھے، اخوان نے طلبہ کی ہمہ جہتی تربیت کے پروگرام بنائے، ورزش اور ثقافتی سرگرمیاں اس تربیت کا لازمی حصہ ہوا کرتی تھیں، شیخ احمد کم سنی ہی سے اس تحریک سے جڑ گئے تھے اور طلبہ و نوجوانوں کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے مخیم الشاطئ (جو بچپن سے شیخ کے کھیل کود کا میدان تھا) میں اسکولی اسباق کا مذاکرہ اور ہوم ورک ہوتا اور اس کے بعد ورزش کے پروگرام ہوا کرتے تھے۔ جسمانی ورزش کے بہت سے طریقے تھے مثلاً لڑکے اونچی چٹانوں سے ریت کے سمندر میں چھلانگ لگاتے، کبھی ایک لڑکا دوسرے کے کندھے پر کھڑا ہوتا اور دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر سمندر میں کود جاتے، کبھی چند لڑکے رکوع کی حالت میں کھڑے ہوتے اور دوسرے ساتھی ان کے پیچھے صف لگاتے اور ہر لڑکا ان کی کمروں کے اوپر سے کودتا، کبھی ایک لڑکا سر کے بل کھڑا ہوتا، اس کے ہاتھ زمین پر ٹکے اور جسم اور سر ہوا میں لٹکے ہوتے، ورزش کا استاد اور مانیٹر عام طور پر طلبہ میں سے ہی کوئی بڑا اور نسبۃً قوی لڑکا ہوتا تھا، ایک بار ایسا ہی ایک پروگرام چل رہا تھا، ٹریننگ کے فرائض ۱۹۸۲ء میں ہونے والے معرکہ خلدہ بیروت کے قائد عبداللہ صیام انجام دے رہے تھے (اسی معرکہ میں شہید ہوئے)۔ ۱۹۵۹ء کی بات ہے گرمیوں کے دن تھے نوجوان احمد سر کے بل گرے اور انکی گردن کی ہڈیاں مختل ہوگئیں۔ انہیں فوری طور پر گھر لے جایا گیا اور گرم پانی اور زیتون کے تیل کو ملا کر مالش کی گئی کہ اس طرح کے حالات میں وہاں یہی دیہاتی طریقہ علاج رائج تھا۔ اس سے

فائدہ محسوس نہ ہوا تو قریب کے ایک نرسنگ ہوم میں دکھایا گیا، جس نے جانچ کے بعد انہیں شہر کے بڑے اسپتال بھیج دیا، وہاں ڈاکٹروں نے بتایا کہ چوٹ بہت خطرناک ہے۔ گردن کی ہڈیاں اپنی طبعی جگہ سے ہٹ کر ایک دوسرے میں پیوست ہوگئی تھیں، جس کی وجہ سے ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ پڑا اور پورے جسم پر فالج کا جزوی اثر ہوگیا۔

نوجوان احمد اب پیروں کی انگلیوں کے بل چلتے، مشکل سے قدم اٹھا پاتے توازن قائم رکھنے کے لیے انہیں پیروں سے ریت ہٹا کر پیر زمین میں گاڑنے پڑتے، ہموار اور سخت زمین پر ان کے لیے چلنا محال تھا، کیوں کہ پاؤں جیسے ہی اٹھاتے توازن ختم ہوجاتا اور وہ گر پڑتے، ہاتھوں کی انگلیاں بھی سخت ہوگئی تھیں اور ہتھیلیاں ٹیڑھی، جس کی وجہ سے قلم پکڑنا ان کے لیے ایک دشوار امر تھا۔

اس حادثہ سے نوجوان احمد کی پوری زندگی بدل گئی۔ اس سے پہلے وہ ہنسی مذاق کے عادی اور مزاحیہ نوجوان تھے، اب وہ نہایت سنجیدہ ہوگئے پہلے عبادت سے انہیں کوئی شغف نہ تھا اور وہ عام نوجوانوں کی طرح کبھی کبھی مسجد جایا کرتے تھے، اب وہ ہمیشہ اور کثرت سے مسجد جانے لگے۔ احمد بنیادی طور پر ذہین طالب علم تھے، بنیادی تعلیم مضبوط ہوئی تھی اس واقعہ کے بعد اب انہوں نے پہلے سے کئی گنا زیادہ محنت شروع کردی۔ کئی سال تک ان کی صحت ایسی ہی رہی اس کے بعد حالت اور بگڑی، فالج کا اثر پورے جسم میں پھیل گیا اور وہ اپنے ہاتھ اور پیروں کو استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے۔

ڈوب جائے گی یہ کشتی گر اسے ساحل ملا
زندگی کو ہر قدم پر ایک طوفان چاہیے

جسے اللہ رکھے

۱۹۵۸ء میں فلسطین ہائر سکنڈری اسکول سے فراغت کے بعد کام کی تلاش ہوئی اس وقت فلسطینی نوجوانوں کو تدریس کی لائن زیادہ مرغوب تھی، اسی سے متعلق کام کی انہیں تلاش رہتی تھی۔ فلسطین کا یہ علاقہ اس وقت مصری انتظامیہ کے ماتحت تھا چنانچہ اسی کے تحت سرکاری اسکول چل رہے تھے،

دوسرے اقوام متحدہ کے تحت عرب رفیوجی ورک نام کی ریلف ایجنسی کی جانب سے بھی بہت سے اسکول چلائے جارہے تھے جن میں اساتذہ کو مراعات اور سہولیات نسبۃ زیادہ حاصل تھیں، مثلا چھٹیاں زیادہ تھیں تنخواہ بڑھتی رہتی تھی اور الگ سے بونس بھی ملتا تھا، مشکل یہ تھی کہ ان اسکولوں کی انتظامیہ میں کمیونسٹ عناصر کا غلبہ تھاUNRAWA کے شعبۂ تعلیم کا انچارج خلیل عویضہ مارکسی رجحان رکھتا تھا، اس کا معاون فرید ابووردہ بھی کمیونسٹ تھا، اسی طرح تعلیم کے بھی انسپکٹر مثلا بدیع قفہ ،اولیت الطویل وغیرہ بالعموم سوشلسٹ خیالات رکھتے تھے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں شیخ احمد، جو اپنے ذوق عبادت تقویٰ وپرہیز گاری اور دینی مزاج کے لحاظ سے اپنے ساتھیوں میں ممتاز اور مشہور تھے، کو کمیونسٹوں کے یہاں جگہ کہاں مل سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے سرکاری اسکولوں کا ہی رخ کیا، درخواست دی انٹرویو کے لیے بلائے گئے، انٹرویو باڈی تین افراد پر مشتمل تھی۔

ا۔ بشیر الریس (انچارج شعبہ تربیت، Education) ۲۔ محمود شہاب جنرل مجسٹریٹ کے کلچرل اسیسٹنٹ اور مصری تعلیمی وفد کے سربراہ، ۳۔ رامز فاخرہ، انسپکٹر عربی زبان، اور بعد میں ڈائرکٹر تعلیمات۔

سلیکشن کمیٹی نے انہیں لائق فائق، زکی اور فرائض تعلیم انجام دینے کے ہر طرح قابل پایا لیکن معاملہ یہ تھا کہ اس طرح کے معاملات میں دلال اور ایجنٹ بیچ میں حائل ہوا کرتے تھے، امیدوار انہیں رشوت دیتے اور اسی راستہ سے انٹرویو میں نکل پاتے تھے۔ چونکہ شیخ احمد لنگڑے اور معذور بھی تھے، اس لیے کمیٹی نے جب جنرل ڈائرکٹر کو، جسے آخری فیصلہ کرنا تھا، اپنی رپورٹ بھیجی تو اس میں شیخ احمد کے نام کے آگے بلند الفاظ میں ان کی صلاحیتوں کا اعتراف تو کیا تھا لیکن آخر میں ایک لفظ بڑھا دیا کہ ''لکنہ اعرج'' (یعنی امیدوار قابل تو ہے لیکن لنگڑا ہے) اس طرح گویا کمیٹی نے اپنی غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا تھا، تاہم اللہ کی مشیت جب کسی چیز کا فیصلہ کر لیتی ہے تو اس کے اسباب بھی اسطرح پیدا ہو جاتے ہیں کہ ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، یہاں بھی ایسا ہی ہوا، چنانچہ لکنہ اعرج کے الفاظ نے ہی جنرل ڈائرکٹر احمد سالم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، اس کی نفسیاتی وجہ یہ تھی کہ اس کا سب سے چھوٹا بیٹا، جو اسے سب سے زیادہ محبوب بھی تھا، لنگڑا پیدا ہوا تھا، اس نے ان

الفاظ کو دیکھتے ہی مصری لہجہ میں فوراً کہا:

"وايه يعني اعرج، يعني مايستغلش يعني يموت م الجوع۔"

(لنگڑا ہونے کا کیا مطلب؟ کیا وہ کام نہ کرے کیا وہ بھوکا مر جائے)

چنانچہ اُس نے اپنے لال قلم سے شیخ احمد کے نام کے آگے یعین (منتخب کیا جاتا ہے) کی عبارت لکھوادی اس کے بعد دوسرے لوگوں کا انتخاب ہوا۔

خودداری وتوکل کا نمونہ

جس دن شیخ احمد سلیکشن کمیٹی کے سامنے انٹرویو کے لیے پیش ہوئے راستہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ وہ لنگڑا لنگڑا کر اس طور پر چل رہے تھے کہ کبھی ان کے دونوں پاؤں ریت میں دھنس جاتے، کبھی بدن ایک طرف کو جھک جاتا اور کوئی راہ گزر انہیں سیدھا کرتا، اس حال میں انہیں جاتے دیکھ کر ایک رفیق نے پوچھا "یا اخی کہاں کا قصد ہے؟" شیخ احمد نے بتایا: انٹرویو کے لیے جارہا ہوں، اس نے شفقت اور محبت سے کہا "انٹرویو کیا ہوتا ہے، کیسے ہوتا ہے اور انتخاب کا ذریعہ کیا ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں سب کو معلوم ہے۔ میرے خیال میں آپ بلاوجہ کی زحمت کر رہے ہیں آپ یہیں سے لوٹ جائیں۔" رفیق کی باتوں پر شیخ احمد مسکرائے اور پورے اطمینان اور اعتماد سے کہا "میں کمیٹی سے کوئی بھیک نہیں مانگوں گا، مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اللہ نے وہاں روزی لکھ دی ہے تو اسے کوئی کاٹ نہیں سکتا نہیں لکھی ہے تو کوئی دے نہیں سکتا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی:

"وفي السماء رزقكم وما توعدون . فورب السماء والارض إنه لحق مثل ما انكم تنطقون". (ذاریات)

(آسمان میں تمہارے لیے روزی ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔
آسمان وزمین کے مالک کی قسم یہ بات ایسے ہی سچ اور حق ہے جیسے تمہارا بولنا چالنا)

کیا ابن عباسؓ سے مروی یہ حدیث تمہارے سامنے نہیں آئی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اعلم أن الامة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشي مانفعوك

الا بشیء قد کتب الله لک، واعلم أن الامة لو اجتمعت علی أن یضروک بشیء ماضروک إلا بشیء قد کتبه الله علیک، رفعت الأقلام وجفت الصحف"

(جان رکھو کہ لوگ اگر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو وہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے لکھ دیا ہے اسی طرح سب لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے تمہارے حق میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھالیے گئے ہیں اور نوشتہ تقدیر لکھا جا چکا ہے۔)

میں اللہ کے بھروسہ اور توکل پر جا رہا ہوں اور مجھے اللہ پوری امید ہے کہ وہ مجھے ناکام نہ کرے گا'' اس کے بعد وہ قصہ پیش آیا جو گزر چکا ہے۔

طلبہ کی دینی تربیت

شیخ احمد کی پوسٹنگ عربی اور دینیات کے استاد کی حیثیت سے ماہانہ ۱۰ مصری گنی کے معاوضہ پر مدرسۃ الرمال الابتدائیۃ میں ہوئی اس کے پرنسپل مرحوم محمد محمود شوا تھے۔ شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ لنگڑے پن کی وجہ سے لڑکے انہیں پریشان کریں گے، لیکن ہوا اس کا بالکل الٹا کہ شیخ احمد نے نہ صرف عام طلبہ بلکہ کھلنڈرے اور شریر لڑکوں، ان کے سرپرستوں اور اسکول کے پورے عملہ کا اعتماد بھی حاصل کر لیا۔ انہوں نے اسکول میں قدم رکھتے ہی اپنے آپ کو ایک ایسا مرکز بنا دیا جس کے گرد سنجیدہ اور محنتی لڑکے جمع ہوں۔ شیخ روزانہ انہیں لے کر 'حی الرمال' میں واقع مسجد الکنز چلے جاتے اور نماز عصر کے بعد چھوٹے ہوئے اسباق اور دوسرے ضروری کام ختم کراتے، ہفتہ میں دوبار ایسا کرنے کا روٹین بنا لیا گیا تھا۔ عام طور پر لڑکوں کے سرپرست اس بات سے خوش تھے، البتہ بعض سرکاری آفیسر لڑکوں کے نماز کے لیے جانے کے معاملہ میں بگڑے اور انہوں نے انسپکٹر مدارس استاذ محمود شوا سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ

''اگر یہ بات ہے تو میں اس معلم سے بہت خوش ہوں میں اسے شکریہ کا لیٹر

(letter) دونگا کاش کہ ہمارا ہر ٹیچر ایسا ہی ہو جائے''

اس جواب سے معترضین چپ ہو گئے، اسی طرح کی شکایت ایک کمیونسٹ ڈاکٹر طٰہٰ بھی لے کر آیا، اس نے کہا:

''یا عم! (چچا) لڑکوں کا نماز پڑھنا اور مسجد جانا تو ہمیں منظور لیکن یہ ہر سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھنے والی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔''

استاذ محمود شوا نے اسے بھی ویسا ہی جواب دیکر مطمئن کر دیا۔

دینی غیرت وحمیت کا مظاہرہ

مصری حکام ہر سال، اسرائیل کے غزہ کے علاقہ کو خالی کرنے پر فتح کا جشن مناتے تھے، ایک بار اسکول کے سالانہ جلسہ میں اسی نام نہاد فتح کی خوشی میں رقص کا پروگرام رکھا گیا تو رقص کے لیے شیخ احمد کے پڑوس میں رہنے والی چار بچیوں کو چنا گیا۔ شیخ احمد نے ان بچیوں کے سرپرستوں کو اس میں شرکت سے انکار پر ابھارا۔ اس پر مدیر تعلیم بشیر الریس نے ان بچیوں کو اسکول سے خارج کر دیا۔ شیخ احمد بچیوں کے سرپرستوں کو لے کر نائب جنرل ایگزیکٹو بریگیڈیئر جمال صابر کے پاس پہنچ گئے اور اس سے کہا کہ اگر انتظامیہ نے اپنا فیصلہ واپس نہ لیا تو کل مخیم الشاطئی میں اس کی مخالفت میں احتجاجی مظاہرہ کیا جائیگا۔ چنانچہ اس نے بشیر الریس کو فون پر سرزنش کی اور طالبات کو فوراً اسکول میں واپس لیے جانے کا حکم دیا۔

حسین لمحات

تعلیم سے فراغت اور روزگار ملنے کے بعد گھر والوں نے شیخ احمد کی شادی کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ قریبی رشتہ داروں میں محترمہ حلیم یاسین سے ان کی شادی ہوئی۔ ان سے یکے بعد دیگرے دو بیٹے ہوئے پہلے کا نام انہوں نے عابد رکھا جس نے بچپن میں ہی انتقال کیا۔ دوسرے کی پیدائش ہوئی تو انہوں نے اس کا نام بھی عابد رکھا لیکن وہ بھی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ تیسرے نمبر پر بیٹی ہوئی جسے انہوں نے عابدہ سے موسوم کیا۔ چوتھے نمبر پر پھر لڑکا ہوا جس کا نام محمد ہے۔ ۱۹۸۹ء میں جب شیخ گرفتار ہوئے

محمد کی عمر ۱۵ سال تھی اور وہ شیخ کی متحرک کرسی چلانے کے لیے ان کے ساتھ جیل گیا تھا۔ ان بچوں کے علاوہ ان کے اور بھی لڑکے لڑکیاں ہوئیں (جن میں ایک صاحب زادہ عابد یاسین نے شیخ کے ساتھ ہی ۲۲/مارچ کے حملہ میں شہادت پائی) شیخ احمد کے حقیقی بھائیوں میں الاستاذ بدر معروف ہیں جو غزہ کے ایک اسکول کے پرنسپل ہیں۔

۱۹۳۸ء (سال پیدائش) تک شیخ احمد کی زندگی کا یہ مرحلہ ختم ہو گیا اور اس کے بعد وہ حریت وطن، جہاد آزادی اور عزیمت وشہادت کے عملی مرحلہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اپنے شاگردوں اور مریدوں کے دل میں جہاد کا ولولہ جگایا۔ نوجوانوں کی تنظیم کی، مساجد کو اپنا مرکز بنایا۔ مختلف فنڈس قائم کیے اور مساجد کے منبروں سے قوم کو خطاب کیا۔ مختلف تعلیمی ادارے قائم کیے اور ہر طرح کے سرد وگرم حالات کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا۔ متعدد بار اپنی جہادی سرگرمیوں کے باعث اسرائیلی قید وبند کے حوالہ ہوئے لیکن پس دیوار زنداں بھی انہوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

فراست مومن

شیخ اپنی بیدار مغزی اور بصیرت میں بھی ممتاز تھے۔ ۱۹۶۸ء کی بات ہے ایک سویڈش مستشرق صوفی کے لبادہ میں غزہ پہنچا۔ اس کا مقصد تصوف اور کرامتوں کے بھیس میں مسلمانوں کے درمیان بہائی خیالات کا پرچار تھا، حیفا (اسرائیل) میں واقع عالمی بہائی مرکز اس کا تعاون کر رہا تھا، اس نے بہائی داعیوں کے ساتھ تصوف کے لباس میں امن وسلامتی کی اشاعت اور خدمت اسلام کے حوالہ سے مسلمان علماء سے تعاون مانگا، اور بعض علماء اس کے دام میں تقریباً آ ہی گئے تھے کہ شیخ کو معلوم ہو گیا انہوں نے اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ اس مستشرق سے ملاقات کی اور گفتگو کے بعد اس کے دام ہم رنگ زمین کو محسوس کر لیا، اور پھر اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے علاقہ کا ہنگامی تبلیغی ودعوتی دورہ کیا اور اس طرح اس سازش کا پردہ چاک کر دیا اور دشمنوں کو فکری یلغار کا موقع نہیں دیا۔

باب سوم

ہر آن سامنے ہو جو مقصد حیات
صدیوں سے ہیں دراز تر لمحے حیات کے

تحریکی جدوجہد کے مراحل سے گزرتے ہوئے

المیہ فلسطین سے لے کر ۱۹۶۷ء تک عرب اسرائیل سے کئی جنگیں لڑ چکے تھے۔ جن میں نہ صرف وہ ہارے بلکہ انہوں نے القدس سمیت وہ علاقے بھی کھو دیے جو اقوام متحدہ نے فلسطینی عربوں کو دیے تھے، اس کے علاوہ اردن میں تحریک آزادی فلسطین اور دوسری فلسطینی تحریکات پر وہاں کی سرکاری فوجوں نے پاکستان آرمی کی مدد سے حملہ کیا انہیں تباہ و برباد کرنے میں شام نے بھی درندگی دکھائی، مصر کے صدر انور السادات نے اسرائیل سے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کر لیا، المیوں کا ایک سلسلہ تھا جن سے فلسطینیوں کو گزرنا پڑا اور اس میں بیشتر زخم انہیں اپنے ہی عرب بھائیوں سے لگے تھے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

اس لیے فلسطین پر عام مایوسی اور کرب کے آثار طاری ہو گئے، ۱۹۶۷ء میں عربوں کی شکست و ہزیمت کے بعد فلسطینیوں کی قیادت سیکولر عناصر کے ہاتھ میں آ گئی، اور شیخ احمد یاسین تنہا ایسے داعی بچے جو سختی سے اپنے موقف پر قائم رہے۔ وہ اپنی قوم اور امت عرب کو اسرائیلی قبضہ کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی خطرات و عواقب سے آگاہ کر رہے تھے، انہوں نے ہمیشہ یہ آواز بلند کی کہ

"وطن عزیز کی ایک انچ زمین سے بھی ہمیں دست بردار نہیں ہونا چاہیے، اپنے ماضی اور پر فخر روایات سے چمٹے رہنا چاہیے، ہم اللہ کی طرف رجوع کریں کہ اس کے علاوہ ہمارا کوئی حامی اور ناصر نہیں۔"

انہوں نے کہا کہ

"قوموں کی زندگی میں شکست و ہزیمت کے مراحل بھی آتے ہیں اس لیے نہیں کہ ہمت ہار دی جائے، ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں، بلکہ اس لیے کہ اپنا احتساب کیا جائے، اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کا ازسرنو جائزہ لیا جائے۔ حملہ آور غاصب دشمن کے پنجہ سے ارض مقدس کو آزاد کرانا فرض ہے۔ القدس اور دوسرے اسلامی مقدسات کی حفاظت اور ناپاک یہودیوں کے قدموں سے ان کی تطہیر امت پر بالعموم اور فلسطین کے تمام مسلمانوں پر بالخصوص واجب ہے۔ مسئلہ فلسطین کا حل جہاد کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یا یہ ہے کہ یہودی حکومت فلسطین پر اپنی حکمرانی اور وراثت کے دعویٰ سے دست بردار ہو اور یہودی فلسطین مین اسی طرح رہیں جیسے ماضی میں اسلامی اور عرب حکومتوں کے تحت رہتے آئے ہیں۔ کسی سچے مسلمان کے لیے غاصب دشمن کے مقابلہ میں غفلت، سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرنا درست نہیں چہ جائیکہ وہ دل سے دشمن کے قبضہ کو تسلیم کر لے اور اس کے ساتھ امن معاہدہ کرے۔"

انہوں نے عباس، شاطی، اور مجمع اسلامی (اسلامک اکیڈمی) کی مساجد سے لوگوں کو خطاب کیا ان کے اندر امیدوں کے چراغ روشن کیے اور زندگی کے ولولے جگائے۔

تحریکی کام کا آغاز

اسرائیلی تسلط کی وجہ سے فلسطینی قوم کو اخلاقی گراوٹ، الحاد، بے دینی اور تنزل و ادبار کے شدید حالات کا سامنا تھا، اور ان کے اثرات سے عام لوگوں میں جس تیزی سے خود فراموشی و بے حسی اور مایوسی کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی، یہودی اور لادینی پروپیگنڈے سے اثر پذیری اور اس کے نتیجہ میں غیروں کی سماجی، ثقافتی اور مادی میدان میں تقلید کے جوجذبات اور رجحانات پیدا ہو رہے تھے، اس میں تنہا ایک آدمی کی آواز اور کوشش ان کا توڑ نہیں کر سکتی تھی، احمد یاسین اپنا کام بلند آہنگی سے

کرر ہے تھے، لیکن جنہیں آواز دی جارہی تھی ان میں زندگی کی رمق بہت کم ہوگئی تھی۔ باطل کے طریقے دل فریب اور مسحور کن ہوتے ہیں چنانچہ شروع میں نعرے بازی، ہنگام آرائی اور شور شغف کے ماحول میں ان کی آواز سننے والے کان کم تھے۔

برف کے ماحول میں رہ کر ٹھٹھر جاتی ہے آگ

ایک لمبے عرصہ تک انہوں نے مواعظ اور خطبات سے اپنے اسی طریقۂ دعوت کو جاری رکھا، لیکن پھر اس کی ناکامی کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے اپنا طریقۂ کار تبدیل کیا، اور عام فہم گفتگو کو باقی رکھتے ہوئے اب انہوں نے انفرادی ملاقاتوں اور گفتگوؤں کے ذریعہ لوگوں کو راست اپنا مخاطب بنایا، انہوں نے معزز شہریوں، رؤسا، علماء اور ممتاز طلبہ سے ملاقاتیں کیں، دوسرے مرحلہ میں UNRAW کے زیر اہتمام اسکولوں میں پڑھنے والے ان طلبہ سے ڈائرکٹ اپروچ کی جو نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں پیش پیش اور تربیتی اور ثقافتی سرگرمیوں میں آگے رہتے تھے ، چنانچہ ایسے طلبہ بہت جلد ان سے قریب آگئے، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے اس فیلڈ ورک سے وہ زندگی کے مختلف میدانوں سے وابستہ ممتاز عناصر اور معاشرہ کے مکھن کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس وقت شیخ احمد یاسین کے خاص دست راست الاستاذ محمد الغرابلی تھے۔ جوان کے ساتھ ہی تعلیم وتدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، محمد الغرابلی، ایک جاذب توجہ، حاضر جواب، نکتہ رس منطقی اور باغ وبہار شخصیت کے مالک تھے، اس کے ساتھ ہی تحریکی کام کا بے پناہ ولولہ (Stemina) رکھتے تھے، دونوں ساتھ نکلتے، طلبہ کی منتخب ٹیموں اور گروپوں سے ملاقات کرتے، ان کے ساتھ گفتگو، سوال جواب اور کھلے ڈسکشن کے پروگرام ہوتے، اس طریقہ سے طلبہ کے سامنے اسلام کی اصل تصویر پیش کی جاتی، اس کا پیغام اور دعوت، اور نظام فکر، نظام اخلاق بیان کیا جاتا اور اس کے مکمل نظام زندگی ہونے کی وضاحت کی جاتی، جہاد کی حقیقت، افادیت، موجودہ تناظر میں اس کی معنویت کو اجاگر کیا جاتا، عالم اسلامی کی عمومی صورت حال، امت پر طاری عمومی زوال وانحطاط، فلسطینی عوام کی بے چارگی اور کسمپرسی اور اس کے اسباب کا تجزیہ ہوتا، مسئلہ فلسطین کا صحیح تناظر پیش کیا جاتا، انہیں بتایا جاتا کہ قوم کو اپنے نوجوانوں سے کیا امیدیں وابستہ ہیں۔ اور موجودہ پس منظر میں ان کا رول کیا ہے، انہیں کس طرح اپنا کردار ادا کرنا ہے، اور امت کو زوال

وادبار کے گڑھے سے نکال کر دنیا کی قیادت کی منزل تک کیسے لے جانا ہے، یہ باتیں شرح وبسط کے ساتھ موثر اسلوب میں ان تک پہنچائی جاتیں، شیخ احمد یاسین کا یہ پیغام طلبہ کی ٹھٹھری رگوں میں نیا خون دوڑا دیا کرتا، اوران کے دلوں کو جوش اور ولولہ سے لبریز کر دیتا، اسی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ (حماس) کا آغاز ہوتے ہی طلبہ کی کھیپیں بڑی تعداد میں اس جہادی تحریک سے منسلک ہوگئیں۔

ادھر آ تجھ سے سوز و ساز زندگی کہہ دوں
رگوں میں خون ، دل میں درد پیدا کرلیا میں نے

مساجد تحریک کا مرکز بن گئیں

مساجد شیخ کی سرگرمیوں کا مرکز تھیں، لیکن انہوں نے انہیں صرف تحریک صلاۃ تک محدود نہیں رکھا، بلکہ حی الشجاعیہ سے لے کر مخیم شاطئی تک کی تمام مسجدوں میں عوامی فنڈ قائم کر دیے، جن کی دیکھ بھال وہ خود کرتے تھے، چندے اور تبرعات جمع کرنے کا کام ان کے مریدین کرتے۔ ان فنڈز کے ذریعہ خفیہ طور پر ان یتیموں، مسکینوں، نادار اور بے سہارا لوگوں کی کفالت کی جاتی جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ غزہ شہر کے وقف بورڈ کے تنخواہ دار ائمہ، علماء اور موذنین شیخ کو رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے، شیخ نے ایک قدم آگے بڑھا کر مساجد کو ان کا حقیقی اور اصل رول ادا کرنے کا مرکز بھی بنا دیا، چنانچہ مساجد میں مختلف دروس کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ مردوں کا درس الگ ،عورتوں کے لیے الگ انتظام، اور بچوں کی تربیت کے پروگرام الگ۔ پہلی مرتبہ مسجدوں میں خواتین کی سرگرمیاں شروع ہوئیں، اور انہیں شیخ احمد اور دوسرے مربیوں اور داعیوں کے درس اور خطاب سننے کے مواقع ملے۔

ہمہ وقتی کارکن

ستر کی دہائی میں ایک اسرائیلی آفیسر کے ساتھ انسپکٹر آف ایجوکشن نے شیخ احمد کی زیارت کی، وہ پہلے سے بھی آپ کو جانتا تھا، آپ کی صحت کو دیکھ کر اس نے فیصلہ کیا کہ ان سے تدریس کا کام

لینا مناسب نہیں، چنانچہ اس نے پنشن پر شیخ کو ریٹائرڈ کر دیا، اس سے شیخ احمد کو کافی فائدہ ہوا۔ اب وہ فل ٹائم تحریکی کاموں اور سرگرمیوں میں دینے لگے، لیکن یہ ہمہ وقتی کام خالصۃً للہ فی اللہ تھا اور وہ اس کے لیے کوئی نذرانہ واعزازیہ وغیرہ نہیں لیتے تھے۔ غازہ پٹی ان کی سرگرمیوں کا مرکز ومحور تھی، لیکن اب انہوں نے پٹی سے باہر دوسرے علاقوں کا بھی رخ کیا اور مقبوضہ فلسطین کے مسلمانوں (جنہیں ۱۹۴۸ کے فلسطینی کے نام سے جانا جاتا ہے) سے رابطہ شروع کیا۔ انہوں نے نئے دوسرے مدرسین اور طلبہ کے ساتھ مقبوضہ آراضی اور مغربی کنارہ کے ٹور کا پروگرام بنایا، اس ٹور میں رملہ، لُد، یافا اور عکہ میں اجڑی اور غیر آباد مسجدوں کو پھر سے آباد کیا گیا، اور دوسری آباد مسجدوں میں مختلف تربیتی پروگرام کیے اس کے بعد بھی ان مسجدوں میں ان کی مسلسل آمد رفت رہنے لگی کہ لوگ ان کے خطاب، وعظ وتذکیر کا شدت سے انتظار کیا کرتے تھے۔

کمیونزم سے اسلام کی طرف

انہیں دعوتی اسفار میں شیخ نے ام فحم شہر کی کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری عبداللہ نمر درویش سے ملاقات کی، اور انہیں بتایا کہ عقیدہ کے لحاظ سے سوشلسٹ تصور میں کیا کمی ہے اور یہ کہ مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں کمیونسٹوں نے کیا غلطیاں اور خیانتیں کی ہیں، کئی ملاقاتوں کے بعد بالآخر اپنی سنجیدہ اور مدلل گفتگو کے ذریعہ انہیں اس بات کا قائل کرلیا کہ تمام مسائل کا واحد حل اسلام ہے اور وہی تنہا مستحکم ربانی نظام ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موصوف نے سوشلسٹ خیالات سے توبہ کر کے تجدید ایمان کی اور شیخ کے کارواں میں شامل ہو گئے اور معروف مجاہد شیخ عبداللہ درویش بنے۔

اسلامی اکیڈمی

اسی عرصہ میں شیخ احمد یاسین اور ان کے نوجوان ساتھیوں نے ایک دینی اور ثقافتی ادارہ کے قیام کے سلسلہ میں سوچا، جو تعلیم وتربیت کے ساتھ ہی طلبہ کی صحت اور جسمانی مضبوطی پر توجہ دے اور سماجی رفاہی کام انجام دے چنانچہ انہوں نے غزہ میں مختلف اسلام پسندوں سے رابطہ قائم کیا، اور ان کے تعاون سے المجمع الاسلامی (اسلامک اکیڈمی) کی بنیاد رکھی اور اسے سماجی ویلفیئر، میڈیکل کیئر اور

کلچرل سنٹر کی حیثیت سے متعارف کروادیا، کچھ عرصہ بعد خان یونس وغیرہ دوسرے شہروں میں بھی اس اکیڈمی کی کئی شاخیں اور ذیلی سنٹر کھولے گئے، جو شروع میں غیر رجسٹرڈ تھے، بعد میں ہائی کورٹ کے فلسطینی امور کے انچارج شیخ محمد عواد پر اسلام پسند عناصر نے دباؤ ڈال کر حکام سے اس اکیڈمی کو چلانے کی اجازت سرکار سے حاصل کرلی۔ حکام مستقبل میں اس کے متوقع اثرات سے بے خبر تھے، انہیں غالباً اس کے دوررس نتائج کا اندازہ نہیں تھا۔ کچھ ہی دنوں میں اس اکیڈمی نے برگ وبار لانے شروع کردیے اور پورے غزہ میں وہ ایک اسلامی، فکری، دینی وصحافتی سوسائٹی بن کر سامنے آئی، حتی کہ سیاسی معالات میں بھی اس کے فیصلے اور رائیں قابلِ قبول ہوئیں۔ اس کے جنرل سیکرٹری شیخ احمد یاسین تھے، جنھوں نے پوری مستعدی، انہماک اور یکسوئی سے اپنے فرائض انجام دیے، انہوں نے اس اکیڈمی کی جانب سے طلبہ کو دوسرے عرب ممالک میں اعلی تعلیم کے لیے بھیجا، ان طلبہ نے وہاں اچھا کردار ادا کیا۔ بطور خاص مکہ المکرمۃ کی ام القری یونیورسٹی میں ان کا کردار اور تعلیمی کارکردگی بہت اچھی رہی، یہی وہ طلبہ تھے جنھوں نے وہاں اعلی تعلیم کے بعد وہیں کی خوش گوار ملازمتوں پر وطن لوٹنے اور فلسطینی کاز کی خدمت کو ترجیح دی، یہی لوگ آگے چل کر غزہ اسلامی یونیورسٹی کی بنیاد بن گئے۔ غزہ یونیورسٹی کی بناء وتکوین اور ترقی میں شیخ احمد یاسین کا کردار غیر معمولی تھا، انہوں نے اس کی تاسیس سے لے کر اس کے ارتقاء تک کے مختلف مراحل میں جو کچھ کیا وہ خود اپنی جگہ ایک پر عزیمت داستان ہے۔ اس کا آغاز، اس کی توسیع، اس کے لیے امداد کا حصول، اس کی ترقی اور اس کی حفاظت کے سلسلہ میں غزہ کے لوگوں میں جو محیر العقول قصے مشہور ہیں نیز جو دستاویزی ثبوت موجود ہیں وہ خود بتاتے ہیں کہ شیخ کا کردار کتنا اہم رہا ہے۔ لیکن یہاں ہم انہیں قصداً قلم انداز کررہے ہیں کہ یہاں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

آغاز تحریک (حماس) کے اسباب ومحرکات

المیہ فلسطین کی تاریخ دراز تر ہوتی گئی، غازہ پٹی میں فلسطینیوں کی زیادہ بڑی تعداد تھی اس لیے وہی تحریک آزادی کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا، مفتی امین الحسینی کی قیادت تک فلسطین میں اسلام پسندوں کا غلبہ رہا، اور وہی آزادی کی لڑائی لڑتے رہے، لیکن مفتی صاحب کی وفات اور ۴۸ء میں

فلسطین میں سیکولر عرب حکومتوں کی براہ راست مداخلت نے اسلام پسندوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد وہاں کئی سیاسی مہمیں چلیں اور کئی سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں، ان میں بعض پارٹیاں سپریم عرب کونسل (الہیئۃ العربیۃ العلیا) جس کے بانی مفتی امین الحسینی تھے، کے مقابلہ میں وجود پزیر ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے بیرونی قوتوں کا ہاتھ تھا، اور ان میں سے بیشتر کا تعلق بائیں بازو سے تھا تاہم لیکن وحدت امت کی حفاظت اور فلسطینی کاز کو انتشار سے بچانے کیلیے اسلام پسندوں نے سیکولر عناصر سے بات چیت اور گفت وشنید کا دور شروع کیا، لیکن سیکولر محاذ کی تنگ ذہنی، سیاسی شعور کی کمی اور ان کی کم سوادی اور کج بحثی کی پرانی عادت نے ان گفتگوؤں اور ملاقاتوں کے ثمرات کو محدود کر دیا۔ ان کے دلوں میں کینہ وعداوت بھری تھی جس نے باہمی لڑائی اور خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کر دی، لیکن اسلام پسند حلقہ نے اپنی روایتی سلامت روی، نرم خوئی اور رواداری کا ثبوت دیا اور گروہی تنازعات برپا نہیں ہونے دیئے کیونکہ یہ اسلا صہیونی دشمن کی چال تھی کہ باہمی کشیدگی اور تنافر کی یہ حالت لوگوں کو اسلامی ورثہ کی حفاظت، اور فلسطین کو یہودیوں کے اسرائیلی منصوبوں سے غافل کر دیتی اور دشمن اپنا کام کر جاتا۔

۶۰ کی دھائی کے اواخر اور ۷۰ کی دھائی کے شروعاتی ایام وطنی تحرک کے عروج کے ایام تھے۔ لوگوں میں قومی ولولہ اور آزادی کا جوش وخروش تھا، میدان میں ہزاروں نوجوان قومی جذبات سے سرشار موجود تھے، لیکن چونکہ وہ سیاسی طور پر ناپختہ، تعلیمی طور پر کمزور اور دینی لحاظ سے غیر تربیت یافتہ تھے اس لیے انہیں بائیں بازو کی فلسطینی کمیونسٹ پارٹی، اور قومی جمہوری محاذ وغیرہ کے ماہر، منظم اور تجربہ کار عناصر نے اچک لیا، ان پارٹیوں کے پاس تربیت یافتہ کیڈر بھی تھے اور ادارہ جاتی بنیاد پر ان کا کام بھی زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے دل فریب نعروں، خوش نما الفاظ اور تعبیرات کے ذریعہ نوجوانوں کی آرزوؤں اور امنگوں کا استحصال کیا، انہیں حقائق سے دور اور غاصب اسرائیل سے براہ راست تصادم سے پرے رکھ کر خیالی دنیا میں مگن رکھا، ان کا قبلہ ماسکو تھا جہاں سے نازل ہونے والی وحی کے اشارے پر ہی یہ وجد میں آتے اور رقص کناں ہوتے اور فلسطین کے نام پر کانفرنسیں اور اجلاسوں کا انعقاد کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے روس اور دوسری طاقتوں کے سہارے آزادئی وطن

کے میٹھے خواب نوجوانوں کو دکھائے، اوران پر ایک وارفتگی اور مدہوشی کی صورت طاری کیے رکھی، ان کے وطنی قومی جذبات کا استحصال کیا۔ اکثر اوقات انہیں کسی واقعی اور عملی تیاری کے اسرائیلی قوت سے بھڑا دیا جاتا۔

ستر کی دھائی کے آغاز میں اردن کے ۲۰ ستمبر کے المیہ سے پہلے ہی قومی جوش وخروش عروج کو پہنچ چکا تھا، فضاء کی نزاکت نے اسرائیلی حکومت کے کان کھڑے کر دیے، اور اس نے انٹیلی جنس اور فوجی طاقت سے فلسطین کی تحریک کو کچلنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وزیر داخلہ ایریل شیرون (موجودہ اسرائیلی وزیر اعظم اور صبرا وشتیلہ کا قاتل) نے Iron first کی اسٹریٹیجی سے کام لیتے ہوئے ہزاروں فلسطینیوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا۔ ہزاروں کو بے رحمی سے زودکوب کیا اور بہت سے نوجوانوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس طرح تھوڑی ہی مدت میں وطنی تحریکوں اور کوششوں کا گلا گھونٹ دیا گیا اور آزادی وطن کی آواز دبا دی گئی۔ اب میدان خالی تھا، اسرائیلی موساد کی شیطانی کوششوں اور حربوں سے یہودی عمیل، گمراہ کن ایجنٹ اور منشیات کے تاجر خودرو گھاس کی طرح اُگ آئے، جنہوں نے معاشرہ میں فواحش ومنکرات کا سیلاب لا دیا، نوجوان کو ورغلانا، انہیں زنا بدکاری اور منشیات کا عادی بنانا موساد کی مہم کا اہم جز تھا۔ جب قومی جذبہ کچلا گیا، آزادی کی آواز بیٹھنے لگی، نوخیز نسل کے دل بہلاوے کے سامان ہونے لگے، اور قومی تشخص کے ضیاع اور اقدار کے انحطاط کی فضا بننے لگی، تو بائیں بازو کے لوگ، نیز سیکولرزم اور جمہوریت میں یقین رکھنے والے عناصر قوم کی رہنمائی نہ کر سکے اور جلد ہی میدان سے کھسکنے لگے، کیونکہ ان کے پاس کوئی ایسی نظریاتی اساس اور اخلاقی قوت نہ تھی جو مصائب میں عوام کی ڈھارس بندھاتی، اور عام مایوسی، بے حسی وبے زاری وزودرنجی سے لوگوں کو نکال کر ایمان واستقامت کے راستہ پر ڈالتی، اس تاریک فضا میں اسلام پسندوں کی عزیمت اور صبر واستقلال، یقین محکم اور عمل پیہم، نظریہ کی قوت اور عقیدہ سے وابستگی ہی درد کا درماں ثابت ہوئی۔

اب تک شیخ احمد یاسین کی زیادہ تر توجہ انفرادی دعوت پر تھی۔ اب انہوں نے نئے تقاضے محسوس کر کے اپنی دعوت کے دائرہ کو وسیع کیا۔ درس کے حلقے بڑھائے، جلسے اور پروگرام کئے اور صبر وثبات کی اپنی دعوت بلند آواز سے دی، سننے والے کان، غور وفکر کرنے والی عقلیں، خشوع سے

متصف دل مجاہد کی آذان کی طرف متوجہ ہو گئے ، انہوں نے اسلام کی آواز کی طرف کان لگا دیے۔ اب یہ آواز ان کے لیے اجنبی نہ تھی بلکہ ان کی امیدوں کا مرکز اور دلوں کی دھڑکن بن گئی تھی ، اسلام بحیثیت ایک نظامِ زندگی اور نظام سیاسی کے لوگوں کے سامنے آیا۔ اسلامی دعوت کے مختلف محاذ اور متعدد تنظیمیں نمودار ہوئیں اور انہوں نے کام شروع کر دیا۔

شیخ احمد یاسین کی کوششوں میں مزید تیزی اور وسعت آ گئی تھی لیکن راستہ کی دشواری ، کانٹوں کی زیادتی اور لوگوں کے مختلف دوراہوں پر کھڑے ہونے کے باعث اسلامی تحریک اپنے فطری انداز میں دھیمی چال سے ہی قدم اٹھا رہی تھی اور آگے بڑھتی جا رہی تھی ، اس وقت جتنے بھی سیکولر اور غیر سیکولر فلسطینی محاذ تھے وہ بھی فلسطین کی کامل آزادی کی بات کرتے تھے ، اور اس کے لیے مسلح جدوجہد تک کو اختیار کرنے کا آپشن رکھتے تھے ، اسلامی تحریک کو اس معنی میں کوئی ایسا امتیاز ابھی حاصل نہ ہوا تھا کہ جو اسے سیاسی اور فکری سطح پر دوسرے گروپوں سے ممیز کر دے اور اس کے لیے وجہ جواز بن جائے۔ شیخ کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ

> ''وطن عزیز کو یہودیوں کے پنجہ سے چھڑانے کے لیے صرف جہاد ہی واحد راستہ ہے۔ لیکن مسلح جدوجہد سے پہلے امت کو تیار کرنا ، کیڈر کی تربیت کرنی ، اس کام کے لیے ضروری ادارے بنانے اور عام لوگوں کا شعور بیدار کر کے ان کی حمایت اور Backing حاصل کرنے کی بھی شدید ضرورت ہے تا کہ مسلح جدوجہد نیا خون پاتی رہے اور مقصد کے حصول تک جاری رہ سکے۔''

عرصہ دراز تک سیکولر محاذوں کے نت نئے حربوں ، اور پروپیگنڈوں کے باعث لوگ اس دعوت کی طرف جلدی متوجہ نہ ہوئے۔ لیکن شیخ نے بغیر کسی مایوسی ، جھنجھلاہٹ اور جلد بازی کے اپنا کام جاری رکھا ، انہیں کوئی جذباتی ابال لانا نہ تھا بلکہ اس نسل کی تربیت کرنی تھی جو دعوت کو شعور کے ساتھ سمجھے اور اس کے لیے قربانیاں دے سکے۔ انہوں نے استقلال کے ساتھ دعوتی وثقافتی سرگرمیاں جاری رکھیں ان کی کوششوں اور تبلیغی ودعوتی مہموں کا اس دینی بیداری کو پیدا کرنے میں بڑا کردار رہا جو اب غازہ پٹی بستیوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں بہتیری مساجد کا قیام ہوا ، حفظ قرآن کے

مراکز کھولے گئے، زکوۃ کمیٹیاں قائم کی گئیں، اصلاح ذات البین اور اصلاح معاشرہ کے پروگرام ہوئے، کوچنگ سنٹرز، نرسریاں، اسلامی سوسائٹیاں اور ڈسپنسریاں کھولی گئیں، اسی جدوجہد کا ایک نتیجہ غزہ میں اسلامی یونیورسٹی کا قیام بھی تھا، جس کا قدرے ذکر اوپر آچکا ہے۔

تحریک کی فکر اور دعوت

غزہ کے علاقہ پر اسرائیلی قبضہ اور تسلط سے پہلے ہی شیخ احمد یاسین کا ایک فکری اور سیاسی رجحان بن چکا تھا، اسرائیلی تسلط کے بعد اس رجحان میں اور اضافہ ہوگیا کہ مسئلہ فلسطین کا جہاد کے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہے۔ اسی فکر کو لے کر وہ چل رہے تھے اور ان کی کوشش غزہ کے علاقے میں جاری تھیں، جو بعد میں غزہ سے نکل کر آس پاس پھیل گئیں، مغربی کنارہ نیز ۱۹۴۸ کی مقبوضہ فلسطینی آراضی (جسے ۱۹۴۸ء کا فلسطین کہا جاتا ہے) بھی ان کی سرگرمیوں کا ہدف بن گئیں۔ انہوں نے جہاد کی تربیت کی اور اس رجحان کی فکری رہنمائی اور ترجمانی کے لیے حماس کی فکری وروحانی قیادت کا منصب بھی قبول کیا، وہ نوجوانوں کی ٹولیوں اور ٹیموں کو باونڈری کے پاس لے جاکر خاردار تاروں سے گھری وطن کی مٹی دکھاتے اور ان کے اندر اسے واگذار کرنے اور آزاد کرانے کے جذبے بیدار کرتے۔ تدریس اختیار کرلینے کے بعد وہ طلبہ سے براہ راست رابطہ (Touch) میں آگئے انہوں نے طلبہ کو جمع کرکے مسجد لے جانے کے پروگرام بنائے اور اکثر مساجد کو تربیت کا میدان بنا کر ایک ایک مسجد کو ایک گروپ کے ساتھ خاص کردیا جہاں ان کے ثقافتی اور ورزشی کھیل ہوتے۔ پکنک کے پروگرام بنتے، درس ہوتے حلقے لگتے، مختلف مقابلے اور Contests ہوتے، اور دوسری علمی وفکری سرگرمیاں ہوتیں۔

پابند سلاسل ہوتے ہیں

ہمیں روکے گی کیا دیوار تہمت

محرک ہے خلوص دل ہمارا

ان تربیتی کاموں کو ایک مدت کے لیے ٹھپ بھی کردینا پڑا، جب مصری جابر فرعونیت کے علمبردار اور

تحریک اسلامی کے قاتل ڈکٹیٹر جمال عبدالناصر نے اپنے کمیونسٹ آقاؤں کے اشاروں پر چلتے ہوئے اسلام پسندوں کا بہت شدت سے گلا گھونٹا۔ غزہ کا علاقہ بھی اسرائیلی قبضہ سے پہلے مصری انتظامیہ کے تحت آتا تھا۔ اور یہاں کے اسلام پسند تحریکِ اخوان سے وابستہ تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء میں شیخ احمد اور ان کے ساتھیوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ قاہرہ کے نظام حکومت کا تختہ پلٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عجیب تہمت تھی جو مصری حکام نے شیخ اور ان کے رفقاء پر گھڑی تھی، شیخ اور ان کے ساتھی غزہ میں تھے، مصر وہاں سے سینکڑوں کلومیٹر دور تھا، پھر وہ حکومت کا تختہ پلٹنے کی بات کیسے سوچ سکتے تھے؟ لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے

بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت

نہیں کام آتی دلیل اور حجت

قید کے بعد انہیں مصر نہیں لے جایا گیا بلکہ دو ہفتہ تک غزہ کے اندر ہی جیل میں رکھا گیا، اور اس سے رہائی کے بعد بھی ان کے گھر کی نگرانی کی جانے لگی۔

انہیں قید کرنے کا منظر بھی عجیب وغریب تھا، مصری سپاہی شیخ کے پیچھے ہتھیار لیے چل رہا تھا، اور شیخ احمد دائیں بائیں، لڑکھڑاتے بڑی مشکل سے چل پا رہے تھے، لوگ جمع ہو کر یہ منظر دیکھ رہے تھے اور اس سپاہی پر لعنت ملامت کر رہے تھے اور اسے گالیاں دے رہے تھے کہ اتنے شریف، عابد زاہد اور نیک انسان سے حکومت کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے، جیل میں انٹلیجنس افسران نے شیخ سے یہ عہد لیا کہ وہ مسجد میں تقریر نہ کریں گے، لیکن جمعہ کے دن جیسے ہی وہ مسجد میں داخل ہوئے لوگ ان کی طرف لپک پڑے، انہیں اٹھایا اور منبر پر بٹھا دیا، اور خطبۂ جمعہ کی درخوست کی، شیخ نے لوگوں کے اصرار پر اذن للذین یقاتلون بأنهم ظلموا (حج:۳۹) سے بات شروع کر دی، اور فی البدیہ اسی مضمون کی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ پڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ لوگ زار و قطار رونے لگے، اور جوش وخروش اور شدت تحمس سے ایک انقلابی روح لوگوں میں پیدا ہو گئی، منظر اتنا عجیب اور متأثر کن تھا کہ جب مصری مفتش المباحث (Director of investigation) نے اپنے سپاہیوں سے شیخ کو دوبارہ جیل لے جانے کیلیے کہا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ چاہے انہیں

نوکری سے نکال دیا جائے لیکن وہ لوگوں کی گالیوں اور لعن طعن کا سامنا نہیں کر سکتے۔ جب تک غزہ میں مصری انتظامیہ رہی دوسرے اسلام پسندوں کے ساتھ وہ شیخ کو بھی پریشان کرتی رہی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہمیشہ کلمۂ حق کہا اور اسلام کی مدافعت کی، اور ذرا بھی کمزوری یا مداہنت سے کام نہیں لیا، اس کے بعد برسوں تک وہ مسجد کے خطیب کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے اور مسجد شاطئی سے لے کر مسجد کنز اور مسجد عباس تک میں وہ جمعہ سے پہلے یا بعد میں خطاب کرتے اور ابنائے وطن کو اسرائیلی حکومت اور اس کی ظلم و زیادتی کے خلاف جہاد پر ابھارتے رہے یہاں تک کہ وہ غازہ کے سب سے بڑے خطیب شمار ہونے لگے۔

تحریک جہاد منزل بہ منزل

ستر کی دہائی میں تحریک اسلامی کی سرگرمی اضافہ ہوگیا۔ لیکن ابھی تک وہ داخلی محاذ پر زیادہ توجہ دے رہی تھی، اس کا پروڈکشن خام تھا، جس کی تیاری بھی نامکمل تھی اور وہ وسائل سے بھی تہی دست تھا، اس لیے ابھی وہ اس پوزیشن میں نہ تھی کہ یہودیوں کے دو بڑے منصوبوں یعنی اسرائیل کی بڑے پیمانے پر آبادکاری اور ساتھ ہی فلسطین کی نئی نسل کو اپنے کلچر میں ضم کر لینے کے شیطانی عزائم کا مقابلہ کر سکے، یہ مرحلہ تحریک کے لیے نئی نسل کی تیاری کا مرحلہ تھا بعد میں اسی تیاری نے ایسی جوان اور باہمت صلاحیتیں تحریک کو دیں جو فکر کے اعتبار سے مضبوط اور یہودی چیلنج کا جواب دینے پر قادر تھیں۔ اسی نئی نسل سے وہ عناصر نکلے جنہوں نے اسلامی اداروں، سوسائٹیوں، انجمنوں اور اسکولوں کو بحسن وخوبی چلایا اور اسی نسل سے فلسطینیوں کو وہ فکری اور علمی قیادت (Inteligentsia) ملی، جس نے علمی اکیڈمیوں، دینی اداروں اور پیشہ ورانہ انجمنوں میں اپنے وجود کا احساس دلایا ان میں اکثر نے مصر، عراق سیریا اور بیروت کی دانشگاہوں سے علمی تخصصات حاصل کر کے فلسطین کے سماجی و سیاسی اسٹیج پر بھی اپنا رول ادا کرنا شروع کر دیا۔ اور وہ بہت جلد ایک سماجی اور سیاسی قوت بن گئے۔ ان کی جڑیں گہری ہوتی گئیں، انہوں نے معاشرہ میں اپنا کردار ادا کیا، حتی کہ 80 کی دہائی آتے آتے یہ تنہا ایسا گروپ تھا کہ جو فلسطینی سیکولر قیادت، جس نے یاسر عرفات کی سربراہی میں اب اپنا قبلہ بدل

کرواشنگٹن سے ساری توقعات وابستہ کرلی تھیں، کے سامنے آیا، اور پوری جرأت سے اس کی سیکولر پالیسیوں پر تنقید کی۔

اس مدت میں فلسطینی سوشلسٹوں کا چہرہ بھی کھل کر سامنے آگیا، انہون نے مسئلہ فلسطین کے جتنے بھی حل پیش کیے تھے ان سے ان کی ماسکونوازی، الحاد اور اسرائیل کے وجود کے اعتراف کی ترجمانی ہوتی تھی، پھر فکر، سیاست اور اخلاقیات میں ان کے مابین خود دھڑے بندیاں اور گٹ بازیاں ظاہر ہونے لگیں، اس دھائی میں مسئلہ کے حل کے لیے ان کی پیش کردہ کمزور تجاویز کی ناکامی سے، فکر اور عقیدہ کے ساتھ ہی سیاست میں بھی ان کی قوت کا میزانیہ ڈانواڈول ہوگیا۔ ان کے گروپوں نے آپس میں بھی ایک دوسرے پر اسرائیل کی غلامی اور ایجنٹ ہونے کے الزام لگانے شروع کردئے، اس صورت حال کے نتیجہ میں تعلیم یافتہ اور باشعور فلسطینی نوجوان ان لوگوں سے تنفر ہوکر اسلامی تحریک سے قریب آتے چلے گئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے جذبات کی صحیح ترجمانی یہی تحریک کررہی تھی۔ اسلامی محاذ نے شروع سے ہی قومی قیادت اور سیکولر محاذ پر اس بنیاد پر تنقید کی تھی کہ اس نے ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے تسلط میں جانے والی زمینوں کی واپسی اور بس اسی زمین پر آزاد فلسطینی ریاست کے قیام تک اپنا ایجنڈا محدود کرلیا تھا اور پورے فلسطین کی آزادی کے مطالبے سے دست بردار ہوکر بس 22% زمین کے حصول کو اپنا مطمح نظر بنالیا (یہ واضح رہے کہ اصل اور تاریخی فلسطین کا یہ صرف 2% ہے) اور اپنے منشور سے مسلح جدوجہد کو حذف کردیا تھا، اس نے اسرائیل کا اعتراف بھی صاف طور سے کرلیا اور یہ سب امریکہ اقوام متحدہ وسیکولر عرب حکمرانوں کے دباؤ میں کیا تھا۔ اور اسی ایجنڈے کے تحت وہ اسرائیل سے گفت وشنید اور مذاکرات کررہا تھا۔ اس نے آزادی وطن کے لیے مسلح جدوجہد ترک کرنے کا بھی فیصلہ کرلیا اب سیکولر محاذ سے وابستہ نوجوان اس محاذ کے اندرونی جھگڑوں اور اس کی روز روز اپنا موقف بدل لینے کی پالیسی اور اس کے عالمی اداروں، امریکہ اور عرب حکمرانوں کے دباؤ میں آجانے کی سیاست سے تنگ آگئے تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ سیکولر قوتیں نہ وطن آزاد کراسکیں، نہ فلسطینی مہاجرین اور پناہ گزینوں کی واپسی کا کوئی سامان ہوا۔ حتی کہ ان کی مادی حالت میں بھی کوئی بہتری نہیں آئی، انہیں ملازمتیں اور نوکریاں نہیں ملیں، ہر طرح سے ان کا مستقبل تاریک تھا ان میں سے بیشتر نوجوانوں نے بالآخر اسلامی تحریک کی

طرف رجوع کیا،اس کے پیغام کو سمجھااور اس کے مقصداور صداقت وخلوص کا تجربہ کیا۔ یہاں انہیں اپنی امنگوں اور بلند مقاصد کی تکمیل کا سامان نظر آیااور انہوں نے محسوس کیا کہ یہاں دینی اور دنیوی دونوں کامیابیوں کے امکانات زیادہ روشن ہیں۔

؎ کس قدر تاریک تھیں راہیں مگر جب چل پڑے
خاک کے ذروں سے پیدا روشنی ہونے لگی

تحریک تناور ہوگئی

فلسطین کی اسلامی تحریک کو افغانستان کے جہاد اور ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابیوں سے بھی تقویت پہنچی، امریکہ اور اسرائیل کے عمیل شاہِ ایران کی فراری اور افغان مجاہدین کی پے در پے فتوحات نے فلسطینیوں کے مورال میں اضافہ کیا، لوگ اپنا مستقبل اسلام کے دامن میں ہی محفوظ سمجھنے لگے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ:

"وطن مالوف کو واپسی، اجڑے گھروں کی آبادکاری، اسرائیلی سامراج کا خاتمہ اور ارض مقدس کی بازیابی رجوع الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے، یہ اسلامی تحریک ہی ہے جو لوگوں کو جہاد پر جمع اور القدس کی آزادی کے لیے شدِ رحال کرواسکتی ہے۔ اب ان کے دلوں سے مغرب کے ناقابل تسخیر ہونے، اور اسرائیل کی فوجی قوت کے ناقابل شکست ہونے کا ہوا نکل گیا۔ اور اسلام کا انقلابی سیاسی تصور ان کے ذہنوں میں راسخ ہوگیا، یہ وہی تصور تھا جس کے اعلان پر ابوالاعلیٰ مودودیؒ پر سیاست بازی کی پھبتی کسی گئی، جس کی تشریح پر سید قطبؒ پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا، مغرب کی مرعوبیت سے باہر نکلنا اور اس کی تہذیبی قدروں کا مقابلہ کرنا ہر طرح کے پچھڑے پن، تنزل اور انحطاط سے نکلنے کا واحد ذریعہ قرار پایا، انہوں نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ سیکولر قومی قیادت نہ صرف یہ کہ سیاسی طور پر غیر ذمہ دار اور ناپختہ ہے بلکہ اس کے پاس اپنے کاز کے لیے کوئی تیاری بھی نہیں اور وہ ایسے عناصر اور عرب حکمرانوں۔ کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے جو مسئلہ

فلسطین کے بارے میں قطعی سنجیدہ نہیں تھے'' پھر ۸۰ کی دہائی شروع ہوگئی جس کے پہلے ۵ سالوں میں ایک نئی دینی، سیاسی اور وطنی بیداری پیدا ہوئی، سیاسی اور فکری میدان میں آنے والی تبدیلیاں اسلامی تحریک کے لیے خوش گوار ثابت ہو رہی تھیں، گرین لائن کے اندر رہنے والے ۴۸ کے فلسطینیوں میں بھی آزادی وطن کے لیے تیاری اور شعور کی تربیت کا رجحان پیدا ہوگیا، انہوں نے فوجی اور مسلح کارروائیاں کرنے کی طرف توجہ دی، اسی شعور و تربیت کے نتیجہ میں وہ فوجی بازو پیدا ہوا جسے کتائب عزالدین القسام کا نام دیا گیا جنہوں نے مجاہد کبیر شیخ عزالدین القسام کے ولولۂ جہاد سے تحریک پائی تھی، ان کی تربیت میں شیخ احمد یاسین نے حصہ لیا تھا، اس کی چھاپہ مار کارروائیوں کی بنیاد پر اسرائیلی شہریوں فوجی ٹھکانوں اور فوجی تنصیبات پر حملہ کرنے کا الزام لگایا جاتا رہا ہے، اِسی سلسلہ میں شیخ احمد یاسین کو بھی اسرائیل نے گرفتار کیا اور انہیں ۱۳ سال تک کے لیے قید کی سزا سنائی گئی تھی، لیکن اسرائیل کی قومی فلسطینی قیادت (P.N.C) کے ساتھ قیدیوں کے تبادلہ کے معاہدہ کی رو سے انہیں گیارہ مہینے بعد ہی چھوڑ دیا گیا۔

میں حق کا سپاہی ہوں تماشائی نہیں ہوں
ہر معرکہ کرب و بلا میرے لیے ہے

شیخ احمد یاسین نے تین نکاتی فارمولے کے تحت فلسطینی نوجوانوں کو اپنا مخاطب بنایا، یہ تین نکات تھے

''مسئلہ فلسطین کے اسلامی، عربی، قومی اور وطنی پہلو، ان کے تحت انہوں نے واضح کیا کہ یہودیت وصیہونیت اسلامی عقیدہ وتہذیب کے لیے ایک چیلنج ہے، اور وہ اسرائیلی قومی تصور کے ذریعہ عربیت کے صحیح تصور اور روحِ عربی سے فلسطینیوں کو کاٹ کر اپنے فولاد میں ضم کرنا چاہتی ہے، یہود اپنے کو اللہ کی پسندیدہ قوم سمجھتے ہیں اور عظیم اسرائیل کا خواب دیکھتے ہیں اور اس طرح فلسطینی قومیت کو جو خیر امت سے وابستگی رکھتی ہے، ختم کرنا چاہتے ہیں''۔

اپنی خراب صحت اور پورے جسم کے شل ہو جانے کے باوجود شیخ نے بے مثال حرکیت اور فعالیت کا ثبوت دیا، ہر انجمن، ہر سوسائٹی، ہر مسجد اور ہر علمی اکیڈمی میں شیخ کا درس یا تذکیر ہونا لازمی سا ہو گیا۔

شیخ کے اوصاف جمیلہ

شیخ احمد کے متعارفین اور ان کے پاس آنے جانے والوں کا کہنا ہے کہ ان کی نظر کے آفاق بلند اور وسیع تھے اور وہ زبردست قوت ارادی اور قوت تاثیر کے مالک تھے۔ ان کے متاثرین اور مستفیدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ وہ اپنے بازو اور پیروں کو استعمال کرنے کی نعمت سے محروم ہیں تو کیا ہوا، اللہ تعالیٰ نے اعوان وانصار اور پیرووں کی شکل میں انہیں سینکڑوں پیر اور ہزاروں بازو عنایت کردیے تھے، عام طور پر عالم عرب اور عالم اسلام میں انہیں عقیدت ومحبت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ سارے فلسطین میں ان جیسا محترم اور محبوب شخص اور کوئی نہیں تھا، حتی کہ وہ لوگ بھی جو نظریاتی بنیادوں پر ان سے دوری اور اختلاف رکھتے ہیں، شیخ سے عقیدت رکھنے پر مجبور تھے یہی وجہ ہے کہ چیئرمین یاسر عرفات بھی وقتاً فوقتاً ان کی زیارت کرتے اور عقیدت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جیل میں ان کا اور ان کا ساتھ ہو گیا، پہلے وہ لوگ شیخ کو متشدد اور دقیانوسی عالم سمجھتے تھے، اب جب انہوں نے ان سے بات چیت کی، تبادلۂ خیال ہوا اور انہوں نے شیخ کی استقامت، پامردی اور فلسطین کے لیے ان کی وفاداری، اصابتِ رائے اور بلند قومی ووطنی شعور کا تجربہ کیا تو ان سے عقیدت پیدا ہو گی، اب انہوں نے شیخ کی خدمت شروع کر دی اور ان کے آرام وراحت کا خیال رکھنے لگے، اور ان کا بھی نام ان قیدیوں کی فہرست میں لکھ کر بھیجا جنہیں ۱۹۸۵ء میں ایک معاہدہ کی رو سے اسرائیلی قیدیوں کے ساتھ تبادلہ میں رہا ہونا تھا۔

گھر قومی عدالت بن گیا

شیخ کی ذکاوت، استدلال کی قوت اور اخلاص وللّٰہیت نے ان کی شخصیت کو جاذب توجہ اور ان کے گھر کو ایک عدالت بنا دیا، جہاں لوگ اپنے مسائل اور مشکلات لے کر آتے اور نزاع باہمی کا فیصلہ اور مصالحت چاہتے، شیخ ان کے مسائل حل کرتے اور ان کے مقدمات فیصل کرتے لوگ تمام مسائل

میں ان کی ذات کا احترام کرتے تھے، چنانچہ ایک بار غازہ کے دو بڑے خاندانوں، خاندان نائلہ، اور خاندان غزال، کے مابین کسی بات پر تنازعہ پیدا ہو گیا اور مار پیٹ تک کی نوبت آ گئی، دونوں خاندان فریق وحریف بن کر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہو گئے، یہ تنازعہ طول پکڑ جاتا اور عوام پر اس کے سنگین اثرات پڑتے اگر شیخ بیچ میں نہ کود پڑتے، چنانچہ انہوں نے شیخ رشاد شوا، غزہ کے قاضی شہر، اور جامعہ غزہ کے کارگزار صدر پر مشتمل ایک وفد بنایا اور خود اس کی قیادت کی، وفد کی اصلاحی کوششوں، طرفین سے انفرادی ملاقاتوں، افہام وتفہیم کے علاوہ شیخ احمد کی متعدد تذکیروں کے بعد اس قضیہ سے نمٹا گیا، اور خدا خدا کر کے ایک بڑے داخلی بحران سے قوم کو بچالیا گیا۔

شیخ کی بالغ نظری

فلسطینی کاز اتنا مبنی بر انصاف ہے اور پوری دنیا کے سامنے بڑی حد تک یہ بات آ چکی ہے کہ فلسطینیوں پر ظلم وزیادتی ہوئی ہے۔ ساری دنیا یہ محسوس کرتی ہے کہ اب اسرائیل کا خاتمہ تو ناممکنات میں سے ہے لیکن اسے ۱۹۶۷ء کا مقبوضہ علاقہ فلسطینیوں کو دیدینا چاہئے جس پر ایک آزاد فلسطینی ریاست قائم کی جاسکے۔ فلسطینی مسئلہ سے عام لوگوں کو اتنی ہمدردی ہے کہ جب لبنان میں تنظیم آزادی فلسطین کے اڈے تباہ کر دیئے گئے اور اس نے تیونس میں جلاوطن حکومت قائم کر لی تو یاسر عرفات کو اس کا سربراہ تسلیم کیا گیا اور ان کے نمائندوں کو ہر ملک میں سفیر کا درجہ دیا گیا، اقوام متحدہ نے بھی فلسطین کو نمائندگی دی۔ پھر پہلے انتفاضہ کے باعث اسرائیل پر کسی نہ کسی طور سے دنیا بھر سے دباؤ پڑنے لگا، جس سے نجات پانے کے لیے امریکہ اور اسرائیل نے اوسلو کا ڈرامہ رچا اور بوڑھے ہوتے ہوئے یاسر عرفات پر پریشر ڈال کر معاہدہ کروالیا جس میں فلسطینی مکمل طور پر خسارے میں اور اسرائیل پورے فائدے میں رہا۔ اگر عرفات تھوڑا اور صبر کر لیتے اور امریکی واسرائیلی پریشر کا عزیمت واستقلال سے مقابلہ کرتے تو یقینی طور پر اب تک آزاد فلسطینی ریاست وجود میں آجاتی۔ عرفات کی اس سنگین غلطی کو فلسطین کی فروخت (Sell out) ہی کہا جاسکتا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کی انتظامیہ میں چن چن کر ایسے لوگوں کو رکھا گیا جو اسرائیل اور امریکہ کے منظور نظر تھے (جن میں سے

کئی ایک تو موساد کے ایجنٹ بھی تھے) فلسطینی سیکوریٹی فورس کا سربراہ سفاک محمد دحلان کو بنایا گیا، سابق فلسطینی وزیر اعظم محمود عباس کی شخصیت بھی مشکوک تھی۔ معاہدہ اوسلو کی رو سے فلسطینی اتھارٹی کو امریکہ اور اسرائیل نے یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ انتفاضہ کو توڑے، حماس اور الجہاد کی سرگرمیاں بند کردے۔ چنانچہ خاصے عرصہ تک ان اسلامی تحریکوں کو اسرائیل اور اتھارٹی دو پاٹوں کے بیچ میں پسنا پڑا حماس کے سیکڑوں ارکان کو اتھارٹی نے گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا، ان کے ساتھ تشدد کیا گیا، بعض نوجوانوں کے ہاتھ پاؤں تک توڑ دیے گئے۔ اس طرح اسرائیل کا کام خود اتھارٹی نے کیا ۔اسرائیل کا اس سے یہ بھی مقصد تھا کہ اس طرح سے فلسطینیوں میں باہمی نزاع اور تفرقہ آرائی پیدا ہوگی، خانہ جنگی کو ہوا ملے گی اور اس کے نتیجہ میں فلسطینیوں کی تحریک حریت اپنی موت آپ مرجائے گی۔ بلاشبہ اگر حماس نے اتھارٹی سے کھلے بندوں مسلح محاذ آرائی کی ہوتی تو یہ خطرہ لازماً پیش آجاتا، لیکن شیخ احمد یاسین اس گہری سازش کو بخوبی سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اتھارٹی سے زبانی ونظری اختلاف تو کیا جائے گا، لیکن عملاً اس کی زیادتیوں اور مظالم کو یک طرفہ طور پر برداشت کیا جائے گا اور کوئی جواب نہ دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں قطر کی ایک گفتگو میں فرمایا

> ''اگر فلسطینی مقتدرہ ہم سے تصادم کرے گی تو ہم نہیں کریں گے۔ وہ ہمیں ایذا پہنچائے گی ،ہم برداشت کریں گے، جواب نہیں دیں گے اور آدم کے دونوں بیٹوں میں اچھے والے کا کردار ادا کریں گے جس نے بھائی کی قتل کی دھمکی کے باوجود کہا تھا کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی کروگے تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں اللہ رب العالمین کا خوف رکھتا ہوں (بیت المقدس مسلمانان عالم کا مسئلہ ص ۱۰۱)

۔چنانچہ ان کی یہ پالیسی کامیاب رہی باہمی محاذ آرائی کی صورت پیدا نہ ہوئی اور اسرائیلی سازش ناکام ہوگئی۔

وسعت مطالعہ

ماضی میں مسلمان علماء بالعموم وسیع علم ومطالعہ کی روایت کے امین ہوا کرتے تھے۔ دور زوال میں حکومت واقتدار کے ایوانوں سے یکسر محروم ہوجانے اور تصوف کے نامسعود راہبانہ تصور کا شکار

ہوجانے کے باعث ان کی اکثریت نہ صرف ولولہ جہاد اور شوق شہادت سے خالی ہوگئی بلکہ وہ علم ومطالعہ اور جدت تحقیق کے ذوق سے بھی محروم ہو گئے۔ان کی ساری دل چسپیاں خانقاہوں کی مجاوری، گورکنی، مدارس میں خشک اور بنجر موضوعات پر وقت صرف کرنے اور مغز کھپانے میں محدود ہوگئیں۔ مغربی سامراج چاہتا تھا کہ مسلکی نزاعات میں ان کا زور صرف ہو، برصغیر میں وہ اس مقصد میں خاصا کامیاب رہا۔اسی طرح جزیرۃ العرب میں وھابی تحریک (جس کا آغاز انقلابی فکر سے ہوا اور انجام یہ ہے کہ سعودی علماء ومشائخ عالم اسلام کے ہر خطہ سے زیادہ ذہنی وفکری پس ماندگی اور بے خبری کا شکار ہیں) کی انقلابیت چھین کر اسے بھی اقتدار وقت کی جگالی پر لگا دیا گیا۔شیخ احمد یاسین اپنے معاصر علماء میں اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے اپنی معذوری، محتاجگی اور بیماریوں کے شکار ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مطالعہ کا عادی بنایا۔ وہ کسی روایتی صوفیانہ روایت سے وابستہ نہیں ہوئے بلکہ ان کی وابستگی حقیقی اولیاء، صلحاء اور مجاھدین سے تھی۔ اسی طرح انہوں نے اپنے مطالعہ کے دائرہ میں قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، سیرت کے علاوہ سیاسیاتِ عالم اور روز مرہ کے سیاسی حالات بھی رکھے، وہ پابندی سے اخبارات کا مطالعہ کرتے تھے حتی کہ جیل کی زندگی میں بھی ان کی مطالعہ کی اس عادت میں کوئی فرق نہ پڑتا تھا انہوں نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ جیل میں یومیہ مطالعہ کے ذریعہ انہوں نے امام نووی کی المجموع کی ۱۸ رجلدیں پڑھی تھیں، یہ کتاب ۲۳ جلدوں میں ہے۔ایک طرف شیخ احمد یاسین کی یہ زندگی اور یہ نمونہ ہے دوسری طرف برصغیر میں ایک بڑی مذہبی جماعت کا حال یہ ہے کہ اخبار پڑھنا وہاں دین داری کے منافی تصور کیا جاتا ہے۔ ایک مخصوص کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں پڑھی پڑھائی جاسکتی۔اجتماعات میں ایک دن صرف دعاء کے لیے خاص ہوتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اب سارے دلدر دور ہو جائیں گے، مسجدوں میں قرآن کے درس سے روکا جاتا ہے۔اور اس کو دین داری خیال کیا جاتا ہے، اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ یہ مسخ شدہ تصور دین رائج کرنے والے اولیاء اور بزرگان دین سمجھے جاتے ہیں۔اسی وسعتِ مطالعہ اور حالات سے باخبری کے باعث ہی شیخ احمد یاسین کے لیے یہ ممکن ہو سکا کہ اسرائیل جیسی طاغوتی قوت کا اور یہودیوں کی سازشوں کا مقابلہ کرسکیں جن کا پوری دنیا میں مکروفریب، جعل سازی اور حیلہ جوئی میں کوئی ثانی نہیں۔

دوسرے قائدین سے روابط

ایک دائی اسلام اور قائد تحریک کی حیثیت سے شیخ احمد یاسین کے روابط دنیا بھر کے علماء اور قائدین تحریکات اسلامیہ سے تھے، جن میں وہ علماء، داعیان اور قائدین خاص ہیں جنہیں فلسطینی مسئلہ سے زیادہ دل چسپی ہے چنانچہ اخوان المسلمون کے مرشد عام بین الاقوامی شہرت کے حامل عالم وفقیہ علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، لبنان کی جماعت اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ فیصل مولوی، امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد، حزب اللہ (لبنان) کے صدر حسین نصر اللہ اور ایرانی قیادت سے ان کے مضبوط روابط تھے۔ اور یہ بھی حضرات شیخ احمد کا زبردست اعزاز واکرام کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اخوان کے سابق مرشد عام مرحوم شیخ مامون الھضیبی کا ایک خط ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جو انہوں نے شیخ احمد یاسین کو بطور تعزیت اس وقت روانہ کیا تھا جب حماس کے کئی چوٹی کے قائدین کو اسرائیل نے ہلاک کر دیا تھا۔ خط کا عربی متن اور ساتھ میں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اخوان المسلمون کے مرشد عام کا پیغام شیخ احمد یاسین کے نام

حماس کے اہم قائد انجینئر اسماعیل ابوشنب کی شہادت پر مرشد عام شیخ مامون الھضیبی مرحوم نے یہ پیغام ارسال کیا تھا:

أيها الأخ القائد المجاهد فضيلة الشيخ أحمد ياسين ورفاقه الكرام :

إننا على يقين من أن النصر آت بعون الله ولا شك في ذلك مهما توالت السنون وطال أمد الطغيان ، كما أن ما ينزل بنا وإياكم من بلاء لن يوهن عزائمنا ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ أَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَاضَعُفُوْا وَمَااسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَo﴾ (ال عمران) صدق الله العظيم

أيها الأخ القائد المجاهد:

مهما توغل الاجرام الأمريكي الصهيوني ومهما طغت وحشيتهم وزاد اجرامهم

فا ن ذٰلک لن یزل لنا وایاکم باذن اللہ قدماً ولن تغیر من استمرارنا وایاکم علی طریق الجھاد الخالص لوجھہ العلی القدیر۔

المجتمع شمارہ/ ۱۵۶۶ ۳۰/ ۸/ ۲۰۰۳ء

مجاہدرہ نما،محترم المقام جناب شیخ احمد یاسین اور رفقاء کرام:

ہمیں یقین ہے کہ کتنی ہی لمبی مدت گذرجائے اور ظلم وجبر کے سایے کتنے ہی طویل ہوجائیں لیکن اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔آپ کو اور ہمیں جو مشکلات پیش آرہی ہیں ان سے ہمارے عزائم کمزور نہ ہوں گے۔امریکی اور صہیونی جرائم، ان کی درندگی اور بہیمیت کتنی ہی بڑھ جائے، اس سے خالصۃً اللہ کے لیے جہاد کے سلسلہ میں ہمارے قدموں میں لغزش نہ آئے گی۔ان شاءاللہ۔

مرحلہ دارورسن

۱۹۸۳ء میں شیخ احمد یاسین پر اسلحہ رکھنے کا الزام لگا کر گرفتار کرلیا گیا، اسرائیلی کوتوال سے جب یہ پوچھا گیا کہ شیخ احمد جیسے مفلوج اور مشلول البدن آدمی سے اسرائیل کو کیا خطرہ ہوسکتا ہے تو اس نے جوابا کہا کہ:

”ان کا جسم مفلوج ضرور ہے لیکن ان کی عقل اور زبان مفلوج نہیں، ان کے اثرات گہرے ہیں انہیں پلاننگ کرنی، اس کا نفاذ اور کامیابی سے اس کی قیادت کرنی آتی ہے ان کی ذہانت اسرائیل کے لیے خطرہ ہے۔“

اسرائیلی کورٹ نے شیخ کو اس جرم کی سزا ۱۳/ سال تک قید کی دی، حالانکہ اس طرح کے جرائم کی سزا زیادہ سے زیادہ ۴ سال کی جیل ہوتی ہے۔تاہم ۱۹۸۵ء میں شیخ احمد یاسین ۱۲۰۰ فلسطینی قیدیوں کے ساتھ رہا ہو گئے، اس طرح انہیں ۱۱ مہینے جیل میں رہنا پڑا، ان قیدیوں میں صرف غزہ شہر ہی کے ۴۰۰ قیدی تھے۔وہ رمضان المبارک کے ایام تھے، اسی مناسبت سے جامعہ غزہ نے ان رہاشدہ قیدیوں کو افطار پارٹی دی، اسرائیلی انتظامیہ نے اس پروگرام کو روکنے کی کوشش کی اور صدر جامعہ کو خبردار کیا کہ اگر یہ پروگرام ہوا تو اس میں شیخ احمد یاسین کی تقریر ہوگی، اور ان کی تقریر ہوئی تو وہ اسرائیل کے خلاف ضرور بولیں گے، عوام کو بھڑکائیں گے، اور اس صورت میں جو نتائج ہونگے ان

کے ذمہ دار آپ ہوں گے، لیکن صدر جامعہ نے کوئی توجہ نہ دی، بالآخر پروگرام ہوا شیخ احمد بھی اس میں شریک ہوئے اور قوم کے ان جیالوں کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ انہوں نے تحریک وطن کے لیے قربانیاں دیں اور اس عزت وتکریم کے مستحق ہوئے۔

عدالت میں آوازۂ حق

۱۹۸۸ء میں غیر قانونی اسلحہ رکھنے کا الزام لگا کر انہیں ایک بار پھر گرفتار کر لیا گیا۔ ایک اسرائیلی عدالت نے عمر قید کی سزا دی۔ شیخ عدالت میں موجود تھے۔ انہوں نے اسرائیلی جج کے فیصلہ کو سکون سے سنا اور بلند آواز سے اعتماد کے ساتھ اس سے کہا:

''یہودیوں نے لمبے عرصہ تک مصائب جھیلے اور در بدری کی زندگی گذاری ہے لیکن آج یہ لوگ وہی سلوک فلسطینیوں سے کر رہے ہیں۔ تاریخ تم کو معاف نہیں کرے گی، احکم الحاکمین کی عدالت میں ہم سب کا آخری فیصلہ ہوگا۔''

اس کے بعد شیخ کئی سال جیل میں رہے۔ ۱۹۹۷ء میں حماس کے ایک اہم قائد اور پولٹ بیورو کے سربراہ خالد مشعل پر اردن میں اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے دو کارکنوں نے دھوکہ سے قاتلانہ حملہ کیا (یعنی زہر کے انجکشن سے ان کو مارنا چاہا) خالد بال بال بچ گئے، دونوں ایجنٹ پکڑ لیے گئے اور اسرائیل کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اردن اور اسرائیل میں سیاسی معاہدہ ہے، جس کا اسرائیل نے کوئی پاس ولحاظ نہیں رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے برافروختہ ہوکر اردن کے شاہ حسین نے ذاتی طور پر مداخلت کی اور موساد کے ایجنٹوں کے بدلہ شیخ احمد یاسین اور ان کے کئی دوسرے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ شاہ حسین نے بذات خود بچولیہ بن کر معاملہ طے کرایا، شیخ کو جیل سے نکال کر چپکے سے اردن بھیجا گیا۔ ایک سال بعد اسرائیل نے ان کو غازہ لوٹ آنے کی اجازت دی (الجزیرہ چینل ۲۲ رمارچ)

جہاد حریت کی ابتداء

۱۹۸۷ء میں اسلامی تحریک جہادی مرحلہ میں داخل ہوگئی اور اسرائیلی بربریت و جاہلیت کے خلاف مختلف نوعیتوں کی مسلح کارروائیوں کا آغاز ہوا۔ اس کی ابتداء احتجاجی مظاہروں اور جلوسوں سے ہوئی تھی اور مساجد سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ اسی لیے اسے ثورۃ المساجد (مساجد کا انقلاب) بھی کہا جاتا ہے، عرف عام میں اسے انتفاضہ کہا گیا۔ اس انتفاضہ میں نوخیز نسل نے بنیادی کردار ادا کیا اور اسے مفید و بار آور بنانے میں شیخ احمد کے ساتھ ہی جامعہ اسلامیہ غزہ کے سابق وائس چانسلر اور مسجد اقصیٰ کے سابق امام، مجاہد کبیر شیخ محمد محمود صیام کا بھی بڑا حصہ ہے۔ امام موصوف کی شخصیت علمیت، ذہانت اور غیرت وحمیت، حرکیت، عزیمت واستقلال اور ہمہ وقت چلت پھرت اور جہدِ مسلسل کی ایک لاثانی مثال ہے۔ اس وقت امام موصوف جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، ایک بڑی علمی شخصیت ہونے کے ساتھ ہی وہ عربی زبان کے بلند پایہ شاعر اور عظیم خطیب بھی ہیں۔

انتفاضہ جلد ہی پورے فلسطین میں پھیل گیا اور اسرائیل کے بے پناہ تشدد کے باوجود مجاہد فلسطینی قوم نے عزیمت واستقلال کی نئی داستان رقم کی اور قربانیوں کی ایک لازوال مثال قائم کردی۔ اس انتفاضہ نے تمام فلسطینی اسلام پسندوں کو ایک صف میں لا کھڑا کیا اور آزادی وطن اور جہاد فی سبیل اللہ کی ان کوششوں نے ایک باشعور، بامقصد اور منظم تحریک کی شکل اختیار کرلی، جسے حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ کے نام سے جانا گیا اور جو شارٹ فارم میں تحریک حماس کے نام سے معروف ہوئی۔ اس انتفاضہ اور حماس کی روحانی زعامت اور فکری قیادت شیخ احمد یاسین کررہے تھے، انتفاضہ کے حوالہ سے فلسطینی نوجوانوں پر شیخ احمد یاسین کے اثرات نہایت غیر معمولی تھے اور اس کا اعتراف خود اسرائیلیوں کو بھی تھا۔ ایک واقعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے، انتفاضہ کی تحریک عروج پر تھی کہ:

> ''اسرائیلی حکام نے غازہ یونیورسٹی کے قائم مقام صدر کو بلا کر کہا کہ اپنے منصب اور منبر کا استعمال کرتے ہوئے ایسی تقریریں کریں کہ انتفاضہ کی شدت میں کمی

آئے اور نوجوان تشدد کا راستہ ترک کر دیں۔ انہوں نے جواباً کہا کہ انتفاضہ اب لوگوں کی زندگی بن چکا ہے اور جنگل میں آگ کی طرح پھیل گیا ہے اب اسے روکنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ اسرائیلی آفیسر نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر شیخ احمد محض اتنی بڑی پرچی لکھ دیں تو یہ انتفاضہ رک جائیگا۔ کارگزار صدر نے کہا کہ ٹھیک ہے ''میں شیخ کے پاس جا کر ان سے اس پرچی کا مطالبہ کرتا ہوں''۔

''اس وقت شیخ احمد کو اسرائیلی انٹلی جنس تلاش کر رہی تھی، تاہم جامعہ غزہ کے صدر موصوف نے اسرائیلی حکام کی جانب سے شیخ سے ملاقات کی اور ہنستے ہوئے کہا کہ یہ لوگ (یہودی) آپ سے چاہتے ہیں کہ آپ اتنا بڑا رقعہ لکھ دیں اور دنیا کے مسائل حل کر دیں، مہربانی کر کے آپ یہ پرزہ ضرور لکھ کر دیدیں، شیخ احمد یاسین نے مسکراتے ہوئے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اسرائیلی حکام نے رئیس الجامعہ سے اس بارے میں پوچھا۔ انہوں نے سرد مہری اور رواداری میں ٹال دیا تو آفیسر نے بااصرار کہا کہ آپ ہماری بات ہنسی میں اڑا رہے ہیں۔ حقیقت یہ کہ شیخ ایسا کر دیتے تو یہ ہنگامہ رک جاتا، کیونکہ اس کے حقیقی محرک، رہنما اور روحانی مرشد وہی ہیں۔''

حماس کا آغاز

اسرائیلی غلبہ وتسلط کو ۴۰ رسال ہونے کو آگئے اور یہ بالکل واضح ہوگیا کہ عرب حکومتیں اور پی ایل او دونوں ہی اسرائیل سے نہ صرف اراضی مقدسہ آزاد کرنے میں ناکام رہے بلکہ ۱۹۶۷ء میں اس نے جن فلسطینی علاقوں پر قبضہ کیا تھا وہ بھی واپس نہ لے سکے۔ ۱۹۸۲ء میں لبنان میں واقع پی ایل او کے اڈوں کی تباہی اور اس کے لبنان کو چھوڑنے پر مجبور ہونے کے بعد سب یہ محسوس کر رہے تھے کہ اب پی ایل او سائڈ لائن ہو جائے گی اور آزادی فلسطین کی تحریک یہیں دم توڑ جائے گی،

چنانچہ امریکی پالیسی ساز 'برزیزنسکی' نے اس خیال کی ترجمانی ByeBye پی ایل او کے اپنے مشہور الوداعیہ سے کی۔ ایسے میں اچانک اسرائیلی فوجوں کی جانب پتھر پھینکتے فلسطینی بچے نمودار ہوئے ان کی زبان پر تکبیر کے نعرے، ہاتھوں میں پتھر، آنکھوں میں بجلی کے شرارے اور پیشانیوں پر ایمان ویقین کی روشنی تھی، انتفاضہ کے ان سپوتوں نے اسرائیل اور واشنگٹن میں بیٹھے اس کے آقاؤں کو صورت حال پر پھر سے سوچنے پر مجبور کردیا ۸ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو غازہ (غزہ) میں انتفاضہ کا پہلا شرارہ پھوٹا اور جنگل میں آگ کی طرح پورے فلسطین میں پھیل گیا۔ شروع میں اسرائیل نے سوچا تھا کہ یہ وقتی ابال ہے جو پہلی جنوری کو الفتح تحریک کے پہلے فوجی ایکشن کی برسی پر خود بخود ختم ہوجائے گا۔ لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ ۱۹۴۸ء کے بعد اب پہلی بار اس احتجاجی تحریک کی رہنمائی پورے طور پر اسلام پسندوں کے ہاتھ میں تھی، اب اسلام فیصلہ کن رول ادا کررہا تھا یہیں سے Islamic Resistance Movement (حماس) کا باقاعدہ آغاز ہوا، جس کی قیادت ایک معذور، اپاہج اور نحیف ونزار بوڑھا (احمد یاسین) کررہا تھا۔ وہ قوم کے پھٹے بادبانوں کی مرمت کرتا، باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا اور قومی غداروں کے چہروں سے مکروفریب کے نقاب نوچتا آگے بڑھ رہا تھا، ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو حماس کا پہلا بیان جاری ہوا جس میں پوری فلسطینی قوم کی جرأت وعظمت کو سلام کرنے کے ساتھ آزادی فلسطین تک اس تحریک کے جاری رکھنے کے عزم کو دہرایا گیا تھا اور انتفاضہ کے اغراض ومقاصد کی وضاحت کی گئی تھی اور اپنے اہداف کو شارٹ ٹرم مقاصد اور لانگ ٹرم مقاصد دوشقوں کے تحت بیان کیا گیا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ 406 تا 408 "Palestine Document" ظفر الاسلام خان)

تحریک حماس، اساس، مقاصد اور طریقہ کار

اسلامی مزاحمتی تحریک (حماس) ایک اسلامی تحریک ہے جس کی بنیاد اسلام پر ہے حیات وکائنات کے بارے میں اس کے افکار وتصورات کا سرچشمہ اسلام ہے۔ حماس فلسطین میں اخوان المسلمین ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ایک عالمی تنظیم ہے اور موجودہ دور میں سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے تمام شعبہائے زندگی میں اسلامی تصور کی مکمل نمائندگی اس کی امتیازی خصوصیت ہے۔

اس تحریک کے بنیادی ستون وہ سچے اور راسخ العقیدہ مسلمان ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر دیا ہے، اور جو اس آیت کریمہ کے صحیح مصداق ہیں

''وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ٥''

(سورہ ذاریات:٥٦)

ترجمہ:۔ جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اور جو اپنی جان و مال اہل و عیال اور وطن کی ذمہ داریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ حماس تحریک میں ہر اس مسلمان کو خوش آمدید کہتی ہے اور اس کا استقبال کرتی ہے۔ جس کو تحریک کے افکار و نظریات سے اتفاق اور اس کے طریقہ کار سے کامل ہم آہنگی ہو۔ تحریک کا منہج اور منبع اسلام ہے اس لیے اس کی زمانی وسعت صدر اسلام اور سلف صالحین کو محیط ہے رضائے الٰہی اس کی منزل سیرت رسول اس کا اسوہ اور قرآن اس کا دستور ہے۔

مکانی وسعت

پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی ایسے انقلابی مسلمان موجود ہوں جن کا نصب العین اسلام اور اسلامی زندگی ہے اور جو ملت کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے تمام افراد تحریک کے اعوان و انصار ہیں اور تحریک ان سے رابطہ قائم کرتی ہے۔

حماس فلسطین کی جدوجہد کے میدان میں ایک انفرادی مقام رکھتی ہے آزادی کی دوسری تمام تحریکوں سے وہ ممتاز ہے اس لیے کہ وہی اب تک ایک ایسی تحریک رہی ہے جو صرف اور صرف اللہ کی حمایت و نصرت پر کامل اعتماد رکھتی ہے۔ اب تک صہیونی دشمن کا جن تنظیموں نے سامنا کیا ہے بلکہ اس کی ظالمانہ اور وحشیانہ کارروائیوں کا پامردی سے مقابلہ کیا ہے، حماس ان کی اہم کڑی ہے اس طرح حماس کا وجود فلسطین کی سرزمین پر ١٩٣٦ء سے ہی ہے (خواہ اس کا نام دوسرا رہا ہو) جب کہ مجاہدین فلسطین نے تحریک حریت کا پرچم بلند کیا تھا اور اخوان کی ایک کڑی کی حیثیت سے وہ ١٩٦٧ء سے اب تک صہیونیوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے۔ جن اسباب و محرکات کے تحت تحریک کا وجود عمل میں آیا ان کے پیش نظر تحریک کا اولین مقصد باطل کو فنا کرنا تھا تاکہ حق کا غلبہ ہو اہل وطن کو

ان کا وطن واپس ملے اور ان کی مسجدوں سے پھر اذان کی گونج سنائی دے ان کا چھینا ہوا حق ان کو واپس مل جائے اور ان کے عقیدے اور مرضی کے مطابق اسلام کی حکومت قائم ہو۔ ارض فلسطین کے سلسلہ میں قانونی اور فقہی طور پر تحریک کا یہ عقیدہ ہے کہ سرزمین فلسطین اسلامی وقف ہے، وہ وہاں پر آباد مسلم عوام کے حق میں نسلاً بعد نسل قیامت تک کے لیے وقف کردی گئی ہے اس لیے تا قیامت کسی فرد یا جماعت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کے کسی جزء سے بھی دستبردار ہو جائے۔ یہ حق نہ کسی عرب حکومت کو ہے نہ تمام عرب ممالک کو، نہ کسی بادشاہ و فرماں روا کو اور نہ کسی ایک تحریک کو ہے اور نہ تمام تحریکوں کو، وہ تحریکیں فلسطینی ہوں یا عربی اس لیے کہ فلطین فلسطینی مسلمانوں کے حق میں اسلامی وقف ہے جسے کسی کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی شریعت کے مطابق اس کا یہی حکم ہے۔

وطنیت کے سلسلہ میں تحریک کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ "وطنیت" ہمارے دین وعقیدے کا ایک اہم جز ہے۔ امن مذاکرات کے بارے میں اس کا کہنا یہ ہے کہ مسئلہ فلسطین کے تصفیہ کے لیے یہ جو بڑی بڑی کانفرنسیں بلائی جارہی ہیں جن میں مسئلہ کے پرامن سیاسی حل پر غور ہوتا ہے اور اس کے لیے مختلف تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ یہ ساری تجاویز حماس کے بنیادی عقیدہ سے ٹکراتی ہیں چنانچہ حماس ان میں سے کسی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اس لیے کہ فلسطین کے جزء سے دستبردار ہونا دین کے جزء سے دستبردار ہونے کے مترادف ہے۔ آزادی فلسطین کے مسئلہ کی تین سطحیں ہیں۔ پہلی سطح پر وہ مقامی و فلسطینی مسئلہ ہے۔ دوسری سطح پر عربی مسئلہ ہے۔ اور تیسری سطح پر وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک حلقہ پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں فلسطین کو صہیونی پنجہ سے چھڑانے کے لیے ان میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ جب کہیں اور جہاں کہیں بھی دشمن مسلمانوں کی کسی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ کرلے تو ہر مسلمان پر درجہ بدرجہ جہاد فرض ہو جاتا ہے اسی طرح جب فلسطین پر یہودیوں نے غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے تو ان کے خلاف علم جہاد بلند کرنا لازم ہے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں صحیح اسلامی شعور پیدا کیا جائے۔ امت میں جہاد کی روح پھونکی جائے۔ اسلامی مزاحمتی تحریک (حماس) دوسری تمام اسلامی تحریکوں کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور ان کی قدر کرتی ہے اگر کسی نظریہ کی فکر میں ان

سے تحریک کو اختلاف ہے تو دوسرے۔ بہت سے خیالات میں ان کے اندر بڑی حد تک یکسانیت ہے، حماس ان تمام تحریکوں اور تنظیموں کو جو فلسطین کی آزادی کی جدوجہد میں شریک ہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور ان کا ہاتھ مضبوط کرتی ہے جب تک کہ انہوں نے اپنی زمام اقتدار مشرق کے کمیونسٹوں یا مغرب کے صلیبیوں کے ہاتھوں میں نہ دے دی ہو۔ ایسی تحریکوں کو چھوڑ کر باقی تمام تحریکوں کے ساتھ وہ ہمدردانہ اور مخلصانہ تعلق رکھتی ہے۔

حماس کی قریب ترین تنظیم تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) ہے اس کے فرزند ہمارے فرزند ہیں۔ کیوں کہ اس میں ہمارا کوئی باپ ہے کوئی بھائی، کوئی دوست ہے کوئی عزیز۔ کیا کوئی مسلمان اپنے باپ، بھائی، دوست یا عزیز کے ساتھ زیادتی کر سکتا ہے۔ ہمارا وطن ایک ہے ہمارے مسائل ایک ہیں ہمارا انجام ایک ہے اور ہمارا دشمن مشترک ہے اس لیے ہم اس تنظیم کے ساتھ مل کر رہنے کے خواہشمند ہیں نہ کہ اس سے اختلاف کرنا ہمارا مقصد ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ فکری انتشار کے نتیجہ میں تنظیم آزادی فلسطین اپنے سابق موقف سے ہٹ کر سیکولر نظریات کی حامی ہوتی چلی گئی ہے یہاں تک کہ اب اس کا بنیادی مقصد فلسطین میں ایک غیر مذہبی حکومت کا قیام رہ گیا ہے۔ اس لیے اب ہم اس کو ایک غیر مذہبی تنظیم ہی سمجھتے ہیں۔ حماس کی یہ کوشش شروع ہی سے رہی ہے کہ وہ عالم اسلام کی مختلف جماعتوں سے اپنا تعلق قائم کرے ان کی تائید کرے ان کی تحریکی سرگرمیوں میں ان کا تعاون کرے تاکہ حماس کو بھی ان کی طرف سے تعاون ملے جس سے پوری اسلامی برادری اور اسلامی ممالک کی حمایت اور پشت پناہی اس کو حاصل ہو جائے۔

حماس غیر مسلموں کے خلاف نہیں بلکہ وہ ان کے سلسلہ میں حقوق انسانی کی پوری رعایت کرتی ہے اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے بارے میں اسلام کا جو نقطۂ نظر ہے اس کی پوری پابندی کرتی ہے۔ (منشور حماس کی تلخیص)

حماس ایک رفاہی تنظیم

حماس کی پہچان زیادہ تر ایک عسکری تنظیم کی ہے لیکن اس کی سرگرمیاں سیاسی بھی ہیں اور رفاہی بھی۔ خود شیخ احمد یاسین حماس کی قیادت کے ساتھ بہت بڑے پیمانے پر چیریٹی ورک بھی کر رہے تھے۔

عام فلسطینیوں کی روزی روزگار، شہیدوں کے کنبوں کی کفالت، یتیموں اور مسکینوں اور ناداروں کی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی فلسطینی مقتدرہ نہیں حماس اور حقوق انسانی کی تنظیمیں کراتی ہیں ان میں بھی سب سے بڑا کام حماس کا ہے۔ فلاحِ عامہ کے ان کاموں کو اسرائیل اور امریکہ نہایت تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے حماس اور دوسری تنظیموں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے اثاثے اور بینک کھاتے منجمد کردیے ہیں۔ اِس خارجی پریشر کے ساتھ داخلی دباؤ بھی کم نہیں ہے، شیخ احمد یاسین نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ

"مالیات کی فراہمی کے سوتے کاٹ دینے کی اندر باہر سے زبردست کوششیں ہو رہی ہیں حتی کہ مقتدرہ نے بھی نئے چیریٹی اداروں کے قیام سے روک دیا ہے"

ایک موقع پر جب شیخ احمد یاسین کو فلاحِ عامہ کے ایک ادارہ کا افتتاح کرنا تھا کہ اس جگہ کو مقتدرہ کی پولیس نے بڑی تعداد میں گھیر لیا اور شیخ کو وہاں پہنچنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ حالانکہ اسلامی رفاہی تنظیمیں ہر میدان میں، مثبت، تعمیری و رفاہی کاموں میں اپنی افادیت اور بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرچکی ہیں۔ (المجتمع شمارہ نمبر ۱۵۲۔ ۲۸/۹/۲۰۰۳ء)

انتفاضۂ ثانیہ

قابل ذکر یہ ہے کہ موجودہ انتفاضہ ثانیہ (ابتداء اپریل ۲۰۰۰) کے پیچھے بھی بنیادی کردار شیخ احمد یاسین اور ان کی تحریک حماس کا ہی ہے، اِس کی منصوبہ بندی تو پہلے سے جاری تھی فوری سبب یہ بنا کہ دہشت پسند اسرائیلی وزیر داخلہ ایریل شیرون اپنے فوجی دستے کے ساتھ دندناتا ہوا مسجد اقصیٰ میں گھس آیا اور ناجائز طور پر اقصیٰ کے اندر سے گزر کر دیوار گریہ تک پہنچنا چاہا، چونکہ اسرائیلی دہشت گرد مسجد اقصیٰ پر بار بار حملے کرچکے ہیں، اس میں آگ بھی لگا چکے ہیں اور اسرائیلی حکومت کی پوری پشت پناہی ان کو حاصل ہے اِس لیے شیرون کے اس جارحانہ اقدام کا مقصد مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ فلسطینی نوجوانوں نے اس کی مزاحمت کی اور متعدد لوگ شہید ہوئے ۔بس یہیں سے انتفاضہ شروع ہوگیا۔ البتہ اس انتفاضہ اور گزشتہ انتفاضہ (۸۷ء) میں فرق یہ ہے کہ اس میں تمام فلسطینی شامل نہ تھے، جب کہ موجودہ انتفاضہ میں حماس، الجہاد اور الفتح گروپ سب ہی

لوگ شامل ہیں حتی کہ فلسطینی اتھارٹی کی حمایت بھی اسے حاصل ہے اس کے نتائج کے سلسلہ میں کچھ کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا، فی الوقت امریکہ اور UNO وغیرہ کئی بار فریقین کو مذاکرات پر مجبور کر چکے ہیں لیکن امریکہ کی بھرپور حمایت اسرائیل کو حاصل ہے لہٰذا وہ ہر معاہدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے ہر بنی بنائی بات کو بگاڑ دیتا ہے۔ چنانچہ اب اتنا طے ہے کہ فلسطینی مسئلہ کا حل مسلح جہاد کے سوا اور کچھ نہیں۔

حل ہوئے ہیں مسئلے شبنم مزاجی سے مگر
گتھیاں ایسی بھی ہیں کچھ جن کو سلجھاتی ہے آگ

بابِ چہارم

شیخ احمد یاسین کی شہادت

۲۲ر مارچ ۲۰۰۴ء بروز سوموار اسرائیلی درندوں نے شیخ احمد یاسین کو شہید کردیا۔ فلسطینی تحریک دعوت وعزیمت کا ایک زریں باب ختم ہوا۔ آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں ایک درویش منش نے اپنا پاک خون دے کر آنے والی نسلوں کے لیے عزیمت واستقلال اور قربانیوں کا ایک نیا باب کھول دیا۔ شہید کی موت قوم کی حیات ہوتی ہے، ان کا مقدس خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ عالمی رائے عامہ کی بے حسی، عربوں کی بے شعوری وبے بسی اور مسلم دنیا کی لاچاری کے ساتھ پون صدی پر محیط مشرق وسطیٰ کی سب سے مہیب فوجی قوت کا نہتے مقابلہ، سب سے ترقی یافتہ اور ٹکنالوجی وسائنس میں سب سے آگے اور نیوکلیئر پاور اسرائیل کی بے رحمانہ جارحیت جسے پورے مغرب اور بطور خاص بے دریغ امریکی تعاون وحمایت وسرپرستی حاصل ہے، کا مسلسل سامنا۔ اس طرح چکی کے دو پاٹوں میں گھرے ہونے کی فضا میں جہاں ہر وقت آگ اور خون کی بارش ہو رہی ہو، ہر آن موت کا سامنا ہو فلسطینی قوم کا وجود انہیں لازوال قربانیوں کا مرہون منت ہے۔ کوئی اور قوم ہوتی تو کب کی دم توڑ چکی ہوتی۔

ایک ایسا شخص جس کا سارا دھڑ مفلوج ہو، جو ایک دو نہیں متعدد بیماریوں کا شکار ہو، جو اپنی آنکھوں اور سر کے علاوہ جسم کی ہر حرکت کے لیے کسی معاون کا محتاج ہو، عام انسانی ذہن ومنطق کے لحاظ سے دنیا کا کمزور ترین انسان شمار کیا جاسکتا ہے لیکن دعوتِ محمدی کا اعجاز ہے، عربی روح کا کرشمہ ہے، توفیق ربی کا معجزہ ہے۔ اور اسے معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ کہ امت مسلمہ کا ایک ایسا ہی کمزور ترین انسان صہیونی درندوں اور ان کے عالمی آقاؤں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا اور ایک دن یکے بعد دیگرے ان کے اوپر تین میزائل داغ کر جب کہ وہ غازہ کی ایک مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے ان عالمی مجرموں کو سکون مل گیا۔ اس معجزہ نما انسان کو دسیوں برس پابند سلاسل بھی

رکھا گیا تھا۔ جسم تو ویسے ہی درد کا احساس کھو چکا تھا ظالم یہودیوں نے ان کی روح کو بھی چرکے پہنچائے لیکن احمد یاسین ہر آزمائش کے بعد پہلے سے زیادہ ثابت قدم اور زیادہ پرعزم ثابت ہوئے۔ اس مفلوج انسان نے ارض فلسطین کی آزادی اور بازیابی مسجد اقصیٰ کی خاطر ایک شاندار و جاندار تحریک کھڑی کر دی جو اس پر یقین کامل رکھتی ہے کہ اسلام عقیدہ بھی ہے نظام بھی، قرآن بھی ہے تلوار بھی، دنیا بھی ہے آخرت بھی، انفرادی عبادت بھی ہے اجتماعی تزکیہ (سیاست) بھی، اخلاق بھی ہے معاملات بھی، یہی اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) آج امت مسلمہ کی امیدوں کا مرکز ہے، جو سید مودودیؒ کی فکر کی ترجمان، سید قطبؒ کے جذبہ کا آئینہ اور امام حسن البناءؒ کی جامعیت اور شیخ احمد یاسین شہیدؒ کی حرکیت و عملیت کا زندہ نمونہ بھی۔ ایسی شخصیت کی شہادت پر پوری امت تعزیت کی مستحق ہے۔

شیخ پر یہ قاتلانہ حملہ اس وقت ہوا جب وہ فجر کی نماز پڑھ کر نکلے۔ موقع پر ہی ان کی وفات ہوگئی۔ ان کی وہیل چیئر کی کرچیاں بکھر گئیں ساتھ میں ایک بیٹا عابد یاسین اور دو باڈی گارڈ بھی شہید ہوئے۔ شیخ کے بچ جانے والے فرزند محمد یاسین نے کہا کہ شہادت سے دو تین گھنٹہ قبل ہی ایک اسرائیلی طیارہ فضا میں چکر لگاتا دکھائی دیا تھا۔ واضح رہے کہ اس حملہ کا حکم دہشت گرد شیرون نے خود دیا تھا۔ ہزراوں سوگوار فلسطینی دھاڑیں مار مار کر روتے گھروں سے نکل آئے، انہوں نے انتقام کا بھی عہد لیا اور اپنی جدوجہد کے جاری رکھنے کا بھی۔ فلسطینی خواتین اور نوجوانوں نے جوشیلے نعرے لگائے اور کہا کہ شیخ یاسین ہمیشہ کے لیے آرام کرنے چلے گئے ہیں لیکن وہ مریں گے نہیں ان کی جگہ لینے والے ہزاروں ہوں گے۔ ایک فلسطینی خاتون نے اپنے بالکل نوزائیدہ بچے کا نام احمد یاسین رکھ دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ:

”شیخ یاسین مرے نہیں وہ تو ابھی پیدا ہوئے ہیں۔“

موقف پر غیر معمولی ثبات

مسئلہ فلسطین کے حل کے سلسلہ میں عرب حکومتوں اور عوام کی سطح پر دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ عرب حکومتوں کا موقف اپنے عوام کو بے وقوف بنانے اور ان کا پریشر کم کرنے کے لیے گرم گرم

بیانات جاری کرنا رہا ہے۔ فلسطین کے مسئلہ پر عرب سربراہ کانفرنسیں بھی زوردار الفاظ میں قرار دادیں پاس کرتی رہی ہیں۔ اسرائیل کے بائیکاٹ کے نعرے بھی عرب لیگ کے پلیٹ فارم سے بلند ہوتے رہے مگر واقعہ کی سطح پر عملی صورت حال یہ ہے کہ مصر اور اردن کا اسرائیل سے علانیہ معاہدہ ہے۔ دوسری طرف کئی اور عرب ملکوں نے بھی اس سے خفیہ روابط رکھنے میں عافیت سمجھی ہے۔

۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے ناجائز طور پر فلسطین کو تقسیم کر کے چند ہزار یہودیوں کو ۵۱ فیصد علاقہ ریاست اسرائیل کے قیام کے لیے دے دیا اور اس وقت تین ملین فلسطینیوں کو ۴۹ فیصد علاقہ دیا گیا جس کے ایک بڑے حصہ کو مصر اور اردن نے بانٹ لیا بقیہ حصہ (غازہ پٹی، مغربی کنارہ اور القدس جو کل فلسطین کا صرف ۲۲ فیصد ہے) پر اسرائیل نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی بدترین شکست کے بعد قبضہ کر لیا۔ تقسیم فلسطین کی اقوام متحدہ کی قرارداد کو عربوں نے بالاتفاق مسترد کر دیا تھا۔ بعد میں عرب حکمرانوں نے اس متحدہ موقف سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور خود فلسطینیوں کی قومی نیم سیکولر قیادت (یاسر عرفات اور ان کی تنظیم پی ایل او) کو ۱۹۶۷ء کے مقبوضہ فلسطین (یعنی ۲۲ فیصد علاقہ) پر اپنا استحقاق جتانے اور بقیہ (۱۹۴۸ء کے مقبوضہ علاقے) فلسطین سے دست برداری پر مجبور کر دیا۔ تاہم عام عرب عوام اور اسلامی تحریکوں، علماء، جماعتوں (حماس اور الجہاد وغیرہ) کا متفقہ موقف آج بھی یہی ہے کہ فلسطین پورے کا پورا فلسطینی عربوں کا ہے۔ بیت المقدس اسلامی وقف ہے اس کی سرزمین سے دستبرداری جائز نہیں۔ اس پر کسی بادشاہ، شہزادے یا حکمراں، تنظیم یا جماعت کی اجارہ داری نہیں کہ وہ اسے ہبہ کر دے یا اس پر دشمن سے کوئی سمجھوتہ کر ڈالے۔ چنانچہ عرب عوام، علماء اور دنیا بھر کے عام مسلمانوں کا موقف یہی ہے۔ شیخ احمد یاسین ہر طرح کے پریشر اور دباؤ کے باوجود اس موقف سے ذرہ برابر پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے، اپنے انٹرویوز، تقریروں اور مباحثوں میں، جو عرب میڈیا میں ہوتے تھے، صہیونیوں کے سامنے بھی وہ بڑی خوبی، قوت استدلال اور تاریخی دلائل کے ساتھ اپنی بات رکھتے چنانچہ آخری دم تک کوئی بھی انہیں اس موقف سے پیچھے نہیں ہٹا سکا۔ اپنی شہادت سے چند گھنٹے پیشتر ہی انہوں نے عرب رہنماؤں کے نام جو پیغام ارسال کرنے کے لیے تیار کرایا اس میں بھی صراحت سے یہی کہا تھا کہ:

''دشمن کے جھانسے میں نہ آئیں، امریکہ اور اسرائیل کے دباؤ میں آکر ارض مقدس سے دستبردار نہ ہوں، مذاکرات اور گفتگو دشمن کا ایک حربہ ہے اور وہ محض وقت گزاری کے لیے یہ شوشے چھوڑتا ہے، ارض فلسطین پر اس نے بہ زور قوت قبضہ کیا ہے اور بہ زور قوت ہی اسے دشمن سے واپس لیا جاسکتا ہے اس لیے عرب حکمرانوں کو صرف اسی آپشن کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ انہیں عراق پر امریکی قبضہ ختم کرانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ موجودہ مرحلہ میں عراقی مزاحمت کا تعاون فلسطینیوں کا تعاون ہے۔ عرب قیادتوں کو اسرائیل کا بائیکاٹ کرنا چاہئے، اس سے سفارتی تعلقات ختم کردینے چاہئیں۔ یہ میرا آپ کو مشورہ ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اس کی توفیق دے۔''

شیخ کی شہادت پر مسلم دنیا کا ردعمل بہت خاص نہیں رہا۔ مصر نے اسرائیل سے معاہدہ کی تقریب کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے، شام کے صدر بشار الاسد نے اسے اسرائیلی دہشت گردی کا ایک اور نمونہ بتایا، سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز نے اس کی شدید مذمت کی، یوروپی یونین روس اور چین وغیرہ نے بھی اس پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ امریکہ بہادر کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ حماس اس کے نزدیک دہشت گرد اور ممنوعہ تنظیم ہے اور اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق ہے، بعد میں اسی زبان میں تھوڑا سا تغیر کر کے کہا گیا کہ یہ قتل اس کے لیے پریشان کن (Deeply Disturbing) ہے۔ ہندوستان (جس کے حالیہ دنوں میں اسرائیل سے روابط میں گرم جوشی آئی ہے) نے بھی اس کاروائی کی مذمت کی ہے۔ ہندوستان کے قومی میڈیا نے بھی یک زبان ہوکر اسے کنڈم کیا ہے۔

انڈین ایکسپریس نے ۲۴/مارچ کے اپنے اداریہ میں اس وحشیانہ اقدام پر لکھا کہ

''ایک مفلوج اور بوڑھے مذہبی آدمی کے خلاف ماڈرن ہائی ٹیک میزائل کے استعمال کی بات سوچنا ہی ایک مہذب سماج کے خلاف ہے''۔

دنیا بھر کے عرب اور مسلم اداروں، تنظیموں اور شخصیات کا اسرائیل کی اس مجرمانہ کاروائی کی مذمت تو فطری بات ہے، خود اسرائیل کے عرب شہریوں نے (جن میں مسلمان بھی ہیں عیسائی بھی) اس

کی مخالفت کی بلکہ فلسطینیوں سے ہم آہنگی کے اظہار کے لیے تل ابیب میں ایک جلوس بھی نکالا، اسرائیل کے وزیر داخلہ ابراہیم پوریز اور ایک دوسرے وزیر یوسف لبید نے کابینہ کی میٹنگ کے اس فیصلہ کی مخالفت کی تھی جو خود شیرون کی صدارت میں ہوئی تھی۔ شیخ کی شہادت کے بعد پورنر نے کہا کہ:

''اس سے دہشت گردی رک نہیں جائے گی بلکہ بہت سے اسرائیلیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔'' سابق وزیر شمعون پیریز نے بھی کہا کہ ''اگر میں اقتدار میں ہوتا تو ایسا فیصلہ نہ لیتا۔''

فطری طور پر فلسطینیوں کا غم وغصہ اور ردعمل بہت شدید ہے۔ شیخ کی شہادت پر تین دن کے سوگ کا اعلان یاسر عرفات نے کیا اور اسرائیل کے اس عمل کو بزدلانہ حرکت قرار دیا۔ موجودہ صورت حال کو ''سرایا الجہاد'' نے نفیر کی حالت بتایا۔ ''کتائب القسام'' نے اپنے بیان میں اسرائیلیوں کو خطاب کر کے کہا: قاتلو! تم نے ہمارے شیخ کو شہید کیا ہے ہم تمہیں دردناک موت کا مزہ چکھائیں گے الاخوان المسلمون نے اپنے پریس بیان میں کہا کہ صہیونیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ اور امن کی گفتگو نہیں ہوگی۔ جہاد ہی واحد راستہ ہے۔ ''الجہاد'' اور ''الاقصیٰ'' بریگیڈ نے اسرائیل سے کھلی لڑائی کا اعلان کیا۔ عبدالعزیز الرنتیسی نے فلسطینیوں سے کہا کہ ''اب ہم اسرائیلیوں کو ہر جگہ، ہر طریقہ سے نشانہ بنائیں گے۔ ''الفتح'' کے بیان میں کہا گیا کہ شیخ احمد یاسین قومی ہیرو، شہید فلسطین بلکہ شہیدِ امت عربیہ واسلامیہ ہیں۔ حماس نے اسرائیل کی قیادت بشمول اسرائیلی فرعون وزیر اعظم ایریل شیرون کو نشانہ بنانے کا بھی اعلان کیا ہے۔ تادم تحریر ابھی کوئی انتقامی کارروائی نہیں ہوئی لیکن ظاہر ہے کہ حماس کا ردعمل جلد ہوگا اور بہت شدید ہوگا۔ ''اب اسرائیل پر آگ برسے گی، ہم ہر جگہ ان پر حملے کریں گے۔'' حماس کے ایک قائد نے کہا۔

مسلمانوں میں بہت سے دانشور اسرائیل کو تسلیم کر لینے اور اس سے ''کچھ دو کچھ لو'' کے اصول پر صلح صفائی کرنے کے حق میں ہیں۔ بلکہ ایسے عناصر اب مضبوط ہو رہے ہیں اور مسلم حکمرانوں کی پشت پناہی بھی انہیں حاصل ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اسرائیل ظالم وجابر ہے یہ تسلیم، مگر

اب وہ بطور ایک ''حقیقت واقعہ'' کے موجود ہے۔ اور عالم اسلام فی زمانہ اسے ختم کردینے ومٹا دینے کی پوزیشن میں نہیں بلکہ وہ تو خود اپنی کھال بھی نہیں بچا پا رہا ہے، لہٰذا اس سے سمجھوتہ کرلینا چاہئے۔ لیکن یہ محض ایک مغالطہ ہے۔ آج امت مسلمہ بالعموم دنیا کے مختلف حصوں اور فلسطینی مسلمان بالخصوص مظلومیت کی حالت میں ہیں۔ مظلومیت ایک وہ ہوتی ہے جس میں مظلوم ظلم کو برداشت کر کے غلامی پر راضی ہوجاتے ہیں۔ اس کے خلاف نہ مزاحمت کرتے ہیں نہ مزاحمت کو مفید سمجھا جاتا ہے۔ ظالم کے ظلم کو قسمت کا لکھا مان کر زندگی گزاری جاتی ہے۔ یہ صورت حال ان کے حق میں موت سے بدتر ہوتی ہے اور وہ اس سے نکلنے کی کوئی امید نہیں کرسکتے۔ ایک مظلومیت وہ ہے جس میں ظالم کے ظلم وجبر کو سہتے ہوئے بھی اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور اس کے ظلم کو مٹانے کا جذبہ ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ کبھی محض صبر و تحمل کے ہتھیار سے ہوتا ہے اور کبھی مسلح مزاحمت ہوتی ہے، اس جنگ میں فتح ہو یا بظاہر ہار لیکن مظلوم کو ہر حال میں فائدہ ہوتا ہے۔ شیخ احمد یاسین اسی مکتب خیال کے سرخیل تھے جو ظلم کا مقابلہ اور مزاحمت ضروری سمجھتا ہے۔ تاہم عملیت اور حکمت عملی کے تقاضے کے طور پر انہوں نے اسرائیل کو ۱۹۷۰ء میں تیس سال تک کے لیے جنگ بندی کی پیش کش بھی کی تھی اور بعد میں بھی کئی بار سیز فائر کا اعلان کیا تھا لیکن اسرائیل خود ہی یک طرفہ جارحانہ کاروائیوں سے اس قسم کے اقدامات کو سبوتاژ کرتا رہا۔

شیخ احمد یاسین پر اس سے پہلے بھی حملہ ہوئے ہیں۔ ایک حملہ ۶ ستمبر ۲۰۰۳ء کو اس وقت ہوا تھا جب وہ حماس کے ایک قائد استاذ اسماعیل ھنیہ و دیگر کے ساتھ غزہ کے وسط میں ایک عمارت میں موجود تھے کہ اچانک اسرائیل نے ایف ۱۶ طیاروں سے اس پر بمباری کی، شیخ کو دائیں بازو میں چوٹیں آئیں۔ انہوں نے ایک بار کہا تھا کہ ''ایک یاسین مرجائے گا اس کی جگہ سو یاسین پیدا ہوں گے۔'' چنانچہ حماس نے فوری طور پر اپنے کو سنبھال لیا اور جناب خالد مشعل کو جو فلسطین سے باہر جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں اپنا رہنما منتخب کیا ہے اور مغربی کنارہ کی ذمہ داری حماس کے ترجمان اور شیخ یاسین کے تربیت یافتہ عبدالعزیز الرنتیسی کو دی گئی ہے۔

(افسوس کہ ۱۷ اپریل کو عبدالعزیز رنتیسی کو بھی اسرائیل نے میزائیل حملہ کر کے شہید کر دیا ان کے ساتھ بیٹا اور دو باڈی گارڈ

بھی شہید ہوئے۔ ان کے حالات زندگی اور جدوجہد کے لیے ملاحظہ ہو مؤلف کا مضمون عبدالعزیز رنتیسی کی شہادت، افکار ملی مئی ۲۰۰۴ء)

اسرائیل کی تمام جارحانہ کارروائیوں کو امریکہ کی مکمل حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے خلاف اقوام متحدہ کی کسی بھی قرارداد کو امریکہ ویٹو کر دیتا ہے۔ اب ایک بار پھر سلامتی کونسل میں فلسطینی اور عرب نمائندے اسرائیل کے خلاف مذمت کی قرارداد پاس کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ امریکہ نے اسے بھی ویٹو کر دیا ہے۔ اسی کی شہ پر ہی اسرائیل کھلے بندوں اپنی دہشت گردی کی کامیابی پر مسرور ہے بلکہ دھمکیاں دے رہا ہے کہ یاسر عرفات اور دوسرے فلسطینی قائدین بھی اس کے نشانہ پر ہیں اور وہ کسی وقت بھی ان پر حملہ کر سکتا ہے۔ یہ بیان بازی محض نفسیاتی طور پر فلسطینیوں کا مورال ڈاؤن کرنے کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن جس کھلی غنڈہ گردی سے وہ اب تک فلسطینی قیادت کو چن چن کر مارتا رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔ ادھر فلسطینی بھی انتقام لیے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے۔ اس طرح لگتا ہے کہ مشرق وسطیٰ ایک بار پھر آتش فشاں دہانہ پر کھڑا ہے۔ خود اسرائیلی شہری بھی اپنی حکومت کی حرکت کے نتائج سے لرزہ براندام ہیں۔ لیکن جب تک دنیا اسرائیلی کارروائیوں کا سختی سے نوٹس نہ لے گی تب تک خوں ریزی اور انسانی جانوں کے ضیاع کے تلخ نتائج سے بچ نہیں سکتی۔ مسلم دنیا کی سرکاروں اور حکومتوں کی کھلی منافقت اور بزدلی تو جگ ظاہر ہے لیکن عالم اسلام کے عام مسلمان فلسطینیوں کی مظلومیت پر خون کے آنسو رو رہے ہیں ساتھ ہی انہیں یہ بھی یقین ہے کہ احکم الحاکمین ظالموں کی رسّی دراز کیے ہوئے ہے، اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، وہ کبھی بھی دنیا کے ان دادا گیروں اور قزاقوں کو پکڑ لے گا، ان کی سائنس، ہائی ٹیک اور ساری ترقیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی، ان کی ہر چال اکارت ہو جائے گی اور ہر چیز پکار اٹھے گی ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

ردعمل

☆ شیخ احمد یاسین کی شہادت کی خبر پاتے ہی ڈاکٹر یوسف القرضاوی، الاخوان المسلمون کے مرشد عام شیخ مھدی عاکف، مجلسِ علماء فلسطین کے سربراہ اور موجودہ امام مسجد اقصیٰ شیخ حامد البطاوی، القدس کے مفتی شیخ عکرمہ صبری نے یک زبان ہوکر ایک بیان جاری کیا جس میں اسرائیلی کی اس دہشت گردی کی شدید مذمت کرتے ہوئے عرب حکمرانوں اور سربراہوں سے اپیل کی کہ اسرائیل سے تمام تعلقات منقطع کر کے ہر سطح پر اس کا بائیکاٹ کریں۔ اس کے ساتھ مذاکرات کا ڈرامہ بند کریں کہ اسرائیل صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے۔ انہوں نے صدر یاسر عرفات سے بھی مذاکرات کی کوششوں سے باز رہنے کے لیے کہا، شیخ قرضاوی نے کہا کہ ''شیخ احمد یاسین کی شہادت سے اسرائیل کو امن نہیں مل جائے گا۔ ان کی شہادت اسرائیل کے خاتمہ اور زوال کی پیش خیمہ ثابت ہوگی انہوں نے تمام فلسطینی گروپوں سے متحد ہوکر دشمن کا مقابلہ کرنے کی اپیل کی۔''

(ریڈیئنس ویوز ویکلی ۱۰/۴/۲۰۰۴)

☆ شیخ الازھر ڈاکٹر سید محمد طنطاوی، یوسف القرضاوی، حزب اللہ کے صدر شیخ حسین نصر اللہ شیخ محمد حسین فضل اللہ سابق ایرانی صدر اکبر ہاشمی رفسنجانی نے اسرائیل کی اس کاروائی کو مجرمانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ شیخ احمد یاسین کی شہادت سے فلسطینی تحریک حریت میں اور جوش وولولہ پیدا ہوگا۔ (حوالہ سابق)

☆ استاذ خالد مشعل جنہیں تین رکنی قیادت کا سربراہ منتخب کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے تاثر کا اظہار یوں کیا'' میں حسب سابق تنظیم کے پولٹ بیورو کی خدمت انجام دوں گا۔ میں شیخ احمد کی جگہ نہیں لے سکتا، کوئی بھی نہیں لے سکتا، یہ جگہ خالی رہے گی۔ وہ ایک علامت تھے، فلسطینیوں، عربوں اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ان کی شخصیت ایک رمز اور ایک علامت بن گئی تھی جس کا دائرہ اثر حماس سے کہیں آگے ہے۔ (حوالہ سابق)

☆ شیخ احمد صرف حماس کے قائد نہ تھے، وہ صرف ایک اسلامی رہنما نہ تھے وہ ایک قومی ہیرو تھے بلکہ میری نظر میں وہ پوری دنیا کے مظلوموں کے قائد تھے۔ حنان عشراوی مشہور فلسطینی عرب عیسائی خاتون رہنما نے کہا (حوالہ سابق)

شیخ احمد یاسین زمین میں رواں دواں زندہ شہید تھے

☆۔ میں مطالبہ کرتا ہوں کہ عرب اور اسلامی ملکوں سے صہیونیت کے ایجنٹوں، سفیروں اور نمایندوں کو بھگا دیا جائے۔ کیونکہ فلسطینیوں کے مصائب و آلام پر عرب اور مسلمان لیڈر جس طرح چپ ہیں وہ ایک جرم ہے۔ جس کا حساب اللہ تعالیٰ لیگا۔

عبداللہ علی المطوع صدر جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی

☆۔ شیخ احمد یاسین اسلام اور اسلامی دعوت کے فرزند تھے وہ صرف حماس کے صدر نہ تھے بلکہ فلسطین کے سپوت تھے، ان کے اٹھ جانے کو پوری فلسطینی قوم بلکہ پورے عالم اسلام نے محسوس کیا ہے۔

ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی

☆۔ صہیونیوں کے اس جرم سے فلسطینی انتفاضہ میں مزید شدت پیدا ہوگی، میں پوچھتا ہوں کہ آخر بش اس صہیونی دہشت گردی کے خلاف مہم کیوں نہیں چھیڑتا۔ وہ دہشت گرد شیرون کو لگام کیوں نہیں دیتا؟

قاضی حسین احمد

امیر جماعت اسلامی پاکستان

☆۔ شیخ احمد یاسین ایک بڑے انسان تھے۔ انہوں نے اپنی تحریک کو انسانی رخ دیا، وہ مہذب پڑھے لکھے اور مفکر آدمی تھے ان کی شہادت سے جرم کے اس ڈرامے میں ایک سین کا اضافہ ہوگیا جو دنیا کے مختلف علاقوں کھیلا جا رہا ہے۔ تاہم یہ کہنا پڑے گا کہ فلسطینی قوم کی مظلومیت اور اس کی اسلامی وعربی امداد وحمایت میں زبردست تفاوت ہے، جتنی مدد انہیں ملنی چاہئے وہ نہیں مل رہی ہے۔

ڈاکٹر ابراہیم الجعفری، عراقی گورننگ کونسل کے ممبر

۵۔ اس واقعہ سے ہمیں شدید دکھ ہوا، کیونکہ شیخ احمد یاسین پوری امت عربیہ اور فلسطین کے نمایندہ تھے ان کی شہادت سے انتفاضہ اور مزاحمت ختم نہ ہوگی، اپنی شہادت کا انہیں ہر لمحہ یقین تھا۔ اسرائیل نے اپنے جرائم کے ریکارڈ کو مزید داغدار کر لیا ہے لیکن ہمیں کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہم حق والے ہیں، راستہ ہمارے سامنے کھلا ہے اور وہ مزاحمت ہے۔

ڈاکٹر عصمت عبدالمجید

سابق جنرل سیکریٹری عرب لیگ

☆۔ شیخ احمد یاسین کی شہادت سے صہیونیوں کی کمینگی، مکاری، خست اور رذالت عیاں ہوتی ہے، تاہم نہتی، غیور فلسطینی قوم کا سب سے بڑا ہتھیار شہیدوں کا پاک لہو ہے۔ شیخ احمد یاسین تو چلتے پھرتے شہید اور شہادت کا ایک پروجیکٹ تھے۔ ان شاء اللہ ان کے خون کا ہر قطرہ اسرائیل کے لیے لعنت بن جائے گا۔

ڈاکٹر عصام البشیر وزیر اوقاف سوڈان

☆۔ شیخ احمد یاسین شہادت کے آرزومند تھے اور مجرم شیرون ان کی آرزو پوری کرنے کا سبب بن گیا۔ ان کی شہادت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شیرون جیسے لوگوں سے امن وامان کی کوئی امید نہیں۔ امن کی گفتگو خیالی پلاؤ ہے جس کا کوئی مستقبل نہیں۔

عبدالسلام الھراس: مغرب کے ایک بڑے عالم

☆۔ شیخ احمد یاسین کی شہادت امت مسلمہ کی تذلیل واہانت ہے اور اس سے اصل صہیونی منصوبوں کی غمازی ہوتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے مزاحمت میں اور تیزی آئے گی۔

ڈاکٹر فہمی ھویدی مشہور مصنف

☆۔ میرا مطالبہ ہے کہ فلسطینی مقتدرہ گفتگو کی فائل اب بند کر کے رکھ دے۔

شیخ فیصل مولوی

سیکریٹری جنرل الجماعۃ الاسلامیۃ لبنان

(ماخوذ المجتمع شمارہ نمبر ۱۵۹۴۔ ۲۰۰۴/۳/۲۷ء)

مختصر تأثراتی تحریریں

ان تاثراتی تحریروں کا رواں ترجمہ اور تلخیص مؤلف نے کی ہے کہیں کہیں خفیف سا تغیر بھی کیا ہے۔ یہ سب ہفت روزہ المجتمع ...... او ہفت روزہ الامان...... سے ماخوذ ہیں۔

سید شہداء فلسطین

شعبان عبدالرحمان

مسئلہ فلسطین کی ابتداء سے ہی جہاد و شہادت کا قافلہ رواں دواں ہے۔ عزالدین القسام، موسیٰ کاظم الحسینی، عبدالقادر الحسینی، حسن البناء اور اب احمد یاسین اور ان کے ساتھ ہزاروں شہداء۔ فلسطین کی تاریخ گواہ ہے کہ ایک شہید ہوتا ہے اس کی جگہ سو لے لیتے ہیں کہ شہیدوں کا مقدس لہو ہی قوموں کی زندگی کی ضمانت ہوا کرتا ہے، وہ آزادی کے سوکھے درخت میں جان ڈالتا ہے۔

شیخ احمد یاسین صرف فلسطینی قوم کے جہاد حریت ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا کی آزادی کی جدوجہد میں ایک معجزہ ہیں۔ کیا تاریخ انسانی کسی دوسرے شخص سے واقف ہے جس کا سر کے علاوہ پورا بدن شل ہو۔ اور اس نے قوم کی قیادت کی ہو؟ صرف قیادت ہی نہیں بلکہ قوم کے بوڑھوں، نوجوانوں، عورتوں، مردوں اور بچوں کو ایک ایسی تحریک میں بدل دیا ہو جو تن تنہا نہتی دنیا کی بہت بڑی قوت کا مقابلہ غلیلوں سے، پتھروں سے اور پرانے ہتھیاروں سے کر رہی ہے۔ جس کے ہاتھ خالی مگر سینوں میں ایمان ویقین کی قندیلیں روشن ہیں، جذبات میں تلاطم آنکھوں میں بجلی کے شرارے ہیں، اور جن کے عزم وحوصلہ اور ارادہ کے سامنے دنیا کا ایک سپر پاور اپنے لاؤلشکروں، جدید ترین ہتھیاروں بموں اور مہیب طیاروں کے باوجود لرزاں وترساں ہے۔

شیخ احمد یاسین ۲۲ر مارچ ۲۰۰۴ کو علی الصباح فجر کی نماز کے مبارک وقت اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔ شہادت ان کی تمنا تھی جو پوری ہوگئی۔ شہادت بھی اس اعلیٰ درجہ کی جو خبیث ترین انسان اور

مخلوق میں سب سے کم ظرف شیرون اور اس کے مجرم ٹولے کے ہاتھوں حاصل ہوئی۔ جس سے مجھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یاد آ گئے کہ جب ان کو ملعون ابولؤلؤ نے خنجر مارا اور لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے تو دریافت کیا کہ کس نے مجھے مارا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ ایک مجوسی غلام ہے تو آپ نے سر کے اشارہ سے سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا:

أحمد الله أن جاء مصرعي على يد عبد لم يسجد لله واحدة فيحتج عليّ بها يوم القيامة. (اللہ کا شکر ہے کہ میری موت کسی مومن کے ہاتھ نہیں ہوئی جو قیامت کے دن اپنے ایک سجدے سے میرے خلاف دلیل لاتا)۔

اس دن شیخ نے ہمیشگی کے آرام کی خاطر زندگی کا سفر ختم کیا اور جہاد حریت کے لہراتے پرچم کی امانت آنے والی نسل کو سونپ کر ابدی نیند سو گئے، اس اعتماد کے ساتھ کہ ان کے جانشین جہاد کے علم کو بلند رکھیں گے اور حصولِ مقصد تک شہادتوں کا کارواں چلتا رہے گا۔

ایک بار میں خدمت میں حاضر ہوا اور حماس کے مستقبل کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

''حماس احمد یاسین کا نام نہیں۔ نہ وہ احمد یاسین کی اسیر ہے، حماس کی جڑیں گہری ہیں، اور قوم کے ہر طبقہ میں پھیل گئی ہیں کوئی بھی قوت اسے اکھاڑ نہیں سکتی۔''

شیخ احمد یاسین کامیاب ہیں شیرون ناکام ہوا

احمد عزالدین

جنگی مجرم شیرون اور اس کے وزیر دفاع موفاز نے اپنی قوم کو شیخ احمد یاسین کے بزدلانہ قتل کی واردات کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ جی ہاں! ان دہشت گردوں کے نزدیک کامیابی کا یہی پیمانہ ہے۔ ایک غاصب اور قتل وخوں ریزی کے جدید ترین ہتھیاروں وکیل کانٹوں سے لیس ملک ایک ایسے مجبور معذور بوڑھے پر حملہ آور ہوتا ہے جو نہتا مسجد میں عبادت کر کے اپنے گھر جا رہا ہے۔ چیئر پر بیٹھا ہے، اسے کسی طرح کا بچاؤ حاصل نہیں، اس کی زمین دشمن نے ہتھیا رکھی ہے، اوپر کھلا آسمان

ہے جس میں دشمن کے طیارے منڈلاتے رہتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں بم برساتے رہتے ہیں۔ ظالم یہودی ہر لمحہ شیخ احمد پر حملہ کر سکتے تھے۔ کس بات پر شیرون اپنی انٹیلی جنس کو مبارکباد دے رہا ہے؟۔ میری رائے میں شیرون اپنی قوم سے بھی شرمندہ ہے، جو اسے نجات دہندہ کے بطور چن کر وزارت عظمیٰ تک لائی تھی لیکن انتفاضہ ثانیہ نے ان کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا جواب سڑکوں اور گلیوں میں آمنے سامنے کی لڑائی بن گیا ہے۔ شیخ احمد کی اپنی آرزو پوری ہوگئی کہ شہادت کی موت تو ہر صاحب ایمان مجاہد کی آرزو ہوتی ہے۔

ان کی شہادت پر مجھے ان کی وہ گفتگو یاد آئی جواب سے ۶ رسال پہلے میرے اور ان کے مابین ہوئی تھی جب وہ کویت کے دورہ پر آئے تھے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا تھا کہ:

''بھائی میں آپ کو اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ حماس کسی احمد یاسین، کسی عبداللہ اور کسی خلیل کا نام نہیں نہ ان جیسے اور ہزار بلکہ ہزاروں افراد کا نام ہے۔ وہ ایک وطنی و قومی فکر اور ضمیر کا اظہار ہے، ایک ایسی سوچ ہے جس کو کوئی ختم نہیں کر سکتا! میدان جہاد میں قائدین کی شہادت قوم کے اندر نئی روح پھونک دیتی ہے، اسے مایوسی کا شکار نہیں کرتی، شہادت ہی تو فتح کا راستہ ہے۔ لوگ شہید ہونے کے لیے تیار ہیں، منتظر ہیں، سفر کتنا بھی لمبا ہو۔ یہی وہ چیز ہے جس سے حوصلے پیدا ہوتے، ولولے انگڑائی لیتے اور جذبے جاگتے ہیں اور جب تک شہیدوں کا کارواں جاری رہے گا فتح و نصرت کا راستہ کھلا رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک آدمی شہید ہوتا ہے اس کی جگہ ہزار لے لیتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے اور مجھے اس پر خوشی ہے کہ ہمارے پاس لڑنے والے اور شہادت کا جنون رکھنے والے موجود ہیں۔ یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ قوم ان کے پیچھے کھڑی ہے، تاکہ سفر ہوتا رہے اور شہادت یا فتح تک جاری رہے''۔

اللہ کی نصرت و مدد پر ان کو کامل یقین تھا فرمایا:

''آنے والی نسل ان شاء اللہ فتح لائے گی وطن کو آزاد کرالے گی۔ نئی صدی کے ربع اول میں ان شاء اللہ ایسا ہوگا اس کی دلیل قرآن کریم ہے کہ جب یہودیوں نے فلسطین میں داخل ہونے اور جہاد کرنے سے منع کر دیا اور سیدنا موسیٰ سے کہہ دیا کہ

إِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلاَ إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ٥ (المائدہ:۲۴)

آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ٥ (المائدہ:۲۶)

تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک کے لیے حرام کر دی گئی ہے۔

یہ تحریم اس لیے تھی کہ نسل میں تبدیلی ہو جائے۔ پرانی نسل ختم ہو کر نئی پود اس کی جگہ لے لے۔ چنانچہ ہماری شکست (المیہ فلسطین ۱۹۴۸ء) پر بھی ۴۰ر سال گذر چکے، اس کے بعد وہ نسل پیدا ہوئی جو غلیلوں اور پتھروں سے انتفاضہ برپا کر چکی ہے (انتفاضہ ۱۹۸۷ء) اور اب آنے والی نسل ہی وطن کو آزاد کرانے والی ہوگی۔ یہی میری امید ہے اور اللہ پر بھروسہ ہے۔ اس بلند روح کے ساتھ شیخ احمد یاسین نے یہ زندگی گزاری اپنی بیماریوں اور معذوریوں سے بالا ہو کر اپنے بلند مقاصد پر نگاہ رکھی۔ جن کو پورا کرنے کے لیے کسی پریشانی اور مصیبت کو خاطر میں نہیں لائے۔ اس طرح اپنے عزم وارادہ سے ایک تاریخ بنا کر شہادت کے مرتبہ عظیم پر سرفراز ہو گئے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور شہداء وصالحین کی معیت عطا فرمائے۔"

شیخ الانتفاضہ کی شہادت

رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

علامہ یوسف القرضاوی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً ٥ بہت سے مومنین ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا اور رخصت ہو گئے اور بہت ابھی انتظار کر رہے ہیں لیکن عہد میں انہوں نے تبدیلی نہیں کی ہے۔

حماس نے، پورے فلسطین نے جس میں فلسطینی مقتدرہ بھی ہے تحریک مزاحمت بھی، شیخ احمد یاسین کو الوداع کہا۔ بلکہ پوری امت عربی اور اسلامی نے اپنے ایک رجل عظیم کو رخصت کیا۔۔ جبکہ قحط الرجال کا امت کو سامنا ہے۔ یہ شیخ احمد یاسین تھے۔ جنہوں نے پوری زندگی دعوت وجہاد میں گذاردی۔ پوری حیات وطن عزیز کو قابض صہیونی قوتوں کے پنجہ سے آزاد کرانے میں صرف کردی۔ انہوں نے تحریک مزاحمت کی بناڈالی۔ متعدد بار قید وبند کی صعوبتیں اٹھائیں لیکن کبھی بھی بے بسی اور عاجزی کا اظہار نہیں کیا مقصد قبضہ گیر قوتوں کے خلاف جہاد تھا، لیکن جہادی کاروائیوں کو وطنی حدود تک ہی محدود رکھا تھا۔ فلسطینیوں کو حتی الامکان نزاع باہمی سے بچاتے رہے کہ فلسطینی کے ذریعہ فلسطینی کا خون نہ بہے۔ ہمیشہ کرسی پر بیٹھنے والے اس عاجز، بے بس ومحتاج شخص نے اسرائیلی فوج اور سیاست دانوں کو خوف زدہ کردیا تھا!!

مردانگی جسمانی قوت کا نام نہیں قوت ایمان اور ایمانی صفات ہی مردانگی پیدا کرتی ہیں، منافقین بھی توانا، صحت منداور موٹے تھیچن پر قرآن نے یوں تبصرہ کیا:

إذا رَأيتهُم تُعجبُکَ أجسامُهُم ٥ (المنافقون:۴)

انہیں دیکھو تو ان کے جسموں سے متاثر ہو کر رہ جاؤ۔

ایک عربی مثل ہے کہ

''بہت سے لوگ کھجور کی طرح بلند نظر آتے ہیں لیکن اندر سے خالی اور کھوکھلے!''

اسرائیل نے جس بے رحمی، شقاوت، کمینگی اور ظلم سے شیخ احمد یاسین کو شہید کردیا ہے یہ اس صدی کا ایک دردناک حادثہ ہے۔ اس المیہ سے امت کو کئی سبق ملتے ہیں۔

ا۔ شیخ کی شہادت کی آرزو پوری ہوگئی۔ یہ بلند مرتبہ ہے، جو ہر ایک کو نہیں ملتا کہ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

اگر شیخ کو اور زندگی جینے کی تمنا ہی ہوتی تو وہ اپنا مکان بدلتے رہتے، مسجدوں میں نماز نہ پڑھتے، لیکن شیخ جماعت میں حاضر ہوتے رہے شہادت اسی وقت ہوئی جب نماز پڑھ چکے تھے، زبان پر دعائیں تھیں۔ یعنی خدا سے ملاقات باوضو اور رکوع وسجود کی حالت میں ہوئی ایسے ہی موقعے کے لیے

فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ (محمد: ۴-۶) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیے جائیں اللہ ان کے اعمال ضائع نہ کرے گا۔ وہ انہیں راستہ دکھائے گا، ان کے معاملات درست کرے گا۔ اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جس کی پہچان انہیں پہلے ہی کرادی گئی ہے۔

ہماری آرزو اور دعاء ہے کہ ہمارا خاتمہ بھی شہادت پر ہو کہ یہ صالحین کی نشانی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے سنا:

اَللّٰھم آتنی ما آتیت عبادک الصالحین : فقال لہ اذن یعقر جوادک ، ویھراق دمک ، فھٰذا أفضل مایؤتیہ اللہ عبادہ الصالحین ۔ اے اللہ مجھے وہ دے جو تو نے اپنے نیک بندوں کو دیا آپ نے اس سے کہا :تب تو تمہارے گھوڑے کی کونچیں کٹیں گی اور تمہارا خون بہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو جو کچھ دیتا ہے یہ اس کا افضل درجہ ہے۔

۲۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ احمد یاسین کی شہادت سے تحریک مزاحمت کمزور نہ ہوگی نہ اس کا شعلہ بجھے گا جیسا کہ سفاک شیرون اور اس کے مجرم ٹولہ کو امید ہے۔ اُس کے برعکس صہیونی دیکھیں گے کہ مزاحمت کی آگ اور تیز ہوگی، جہاد کے شعلے اور بلند ہوں گے۔ شیخ احمد یاسین کتنے ہی احمد یاسین پیچھے چھوڑ گئے ہیں جو ان کا انتقام لیں گے، اور تقریباً تمام ہی جہادی جماعتوں نے اس کا اعلان بھی کیا ہے۔ وہ کتائب القسام ہوں یا سرایا القدس، اقصیٰ بریگیڈ ہو، یا شہید ابو علی مصطفیٰ بریگیڈ۔ جمہوری فرنٹ کے جانباز ہوں یا الفتح کے فرزند۔ کہ اس المیہ کی شدت نے پورے فلسطین کو ایک کردیا ہے۔ اب وہ ظالم اسرائیل کے خلاف ایک صف میں کھڑا ہے اور یک زبان ہے۔ شیخ احمد یاسین کا پاک خون رائیگاں نہ جائے گا بلکہ وہ اسرائیل اور اس کے حواریوں پر لعنت اور آگ بن کر برسے گا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (الشعرآء: ۲۲۷)

ظالم اپنا انجام عنقریب ہی دیکھ لیں گے۔

مجاہد فلسطینی قوم بانجھ نہیں یہاں ایک مجاہد مرتا ہے کئی مجاہد پیدا ہوتے ہیں اور اس کے جھنڈے کو بلند کردیتے ہیں اور یہ علم کبھی گرے گا نہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اب اسرائیل کے ظلم و جبر اور استکبار کی حد ہوگئی ہے وہ انسانیت کے حق میں صبح وشام شرمناک جرائم کررہا ہے۔ زمین میں فساد پھیلا رہا ہے، کھیتوں کو ویران کررہا ہے، درخت کاٹ رہا ہے، فصلیں برباد اور گھروں کو مسمار کررہا ہے۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو ذبح کررہا ہے، معصوموں کا خون بلا دریغ بہا رہا ہے اور اب ایک بوڑھے معذور پاک باز نمازی کو خود مجرم شیرون کی پلاننگ اور نگرانی میں ختم کردیا گیا۔ یہ ریاست کی دہشت گردی کی سب سے نمایاں شکل ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ امریکہ بھی اس جرم میں پوراشریک ہے وہ نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی سے مسلسل اس کی حمایت کررہا ہے اس کا مال، اس کے ہتھیار، اس کا ویٹو سب اسرائیل کے لیے وقف ہیں۔ اگر اس معاملہ کا مجھے جج بنایا جائے اور فیصلہ کا اختیار دیا جائے تو میرا فیصلہ یہ ہوگا کہ اصل اور بڑا مجرم بش ہے کہ اس نے شیرون اور اس کے ٹولے کی پیٹھ تھپتھپائی۔ اسی نے اس مجرم کو ہتھیار فراہم کیے اور وہی ہے جو اپنا دفاع کرنے والوں کو تشدد پسند اور مجرم قرار دے رہا ہے۔ یہ بے شرم فلسطینی مزاحمت کو تشدد بتاتے ہیں۔

جنوں کا نام رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

۵۔ ''امن کی گفتگو اور ''امن کی مہم'' جیسے الفاظ ایک سراب ہیں۔ حالات پر جس کی بھی نظر ہے وہ انہیں خالی کرتب بازی قرار دے گا۔ ہر غیر جانبدار مبصر یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اسرائیل حقیقی اور منصفانہ امن چاہتا ہی نہیں وہ چاہتا ہے کہ اسے کچھ نہ دینا پڑے، سب کچھ اسی کو مل جائے، وہ صرف طاقت کی منطق جانتا ہے لوہے کی زبان سمجھتا ہے، آگ کی زبان بولتا ہے، اور سیدھے سادھے فلسطینیوں اور عربوں کو جھوٹے وعدوں، بے نام خواہشوں سے بہلائے رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سراب ہے جس کا کچھ حاصل نہیں تاریخ کا سبق یہ ہے۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جو چیز جبر اور زور کے بل پر چھینی گئی ہے، وہ قوت و طاقت کے ذریعہ ہی واپس لی جاسکتی ہے۔ فلسطینیوں کے پاس مزاحمت و جہاد کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں، اس کے علاوہ جو بھی آپشن ہیں وہ شکست، ذلت اور موت تک

لے جاتے ہیں۔

۶۔ چھٹی بات یہ ہے کہ اب تمام فلسطینیوں کو متحد ہونا پڑے گا۔ وطنی محاذ ہو یا اسلام پسند تحریک مزاحمت کے وابستگان یا مقتدرہ کے لوگ سب ایک جٹ ہو جائیں، دشمن مشترکہ ہے، اور سبھی کو چیلنج دے رہا ہے۔ نہ معلوم اس کا اگلا نشانہ عرفات ہوں گے یا کوئی اور قائد، اس لیے سب شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں اور اس فرمانِ خداوندی کی تفسیر بن جائیں کہ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ٥ (صف:۴)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں متحد ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

۷۔ ساتویں بات یہ ہے کہ اب عربوں کو اپنی نیند سے بیدار اور غفلت سے ہوشیار ہونا چاہیے۔ اب بہت ہو چکا وہ مدتوں سے اپنے خول میں بند ہیں اپنے بھائیوں کے حقوق، بلکہ اپنے ہی حقوق، ان کو ادا کرنے ہوں گے۔ کیونکہ فلسطین اور بیت المقدس صرف فلسطینیوں کا مسئلہ نہیں، وہ نہ صرف عربوں کا مسئلہ ہے بلکہ امت کا بھی مسئلہ ہے۔ اب سے پہلے کم از کم عرب اس میں شریک تھے اور یہ عرب اسرائیلی تنازعہ کہا جاتا تھا لیکن اب تو وہ صرف فلسطینی اسرائیلی تنازعہ بن گیا ہے، عرب غائب ہیں۔

۸۔ آٹھویں بات یہ ہے کہ امت مسلمہ اس مسئلہ سے جڑی کیوں نہیں۔ جب جب اذانیں گونجتی ہیں، وہ مسجد اقصیٰ کو کیوں یاد نہیں کرتی، ارض معراج، بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ مبارک کے اس پر بھی حقوق و واجبات ہیں یہ صرف فلسطینیوں کی ملکیت نہیں کہ امت انہیں ان مقدسات کے دفاع اور بازیابی کی جنگ میں تنہا چھوڑ دے۔

اس سے پہلے بھی بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ پر صلیبیوں نے قبضہ کیا تھا، یہ ۹۰ رسال تک ان کے ناپاک قبضہ میں رہے۔ امت مسلمہ کے مختلف افراد جن کی قومیتیں اور رنگ وروپ الگ الگ تھے اس کی بازیابی کے لیے اٹھے، جن میں عماد الدین زنگی تھے، ان کے فرزند محمود زنگی تھے، ان کے تربیت یافتہ صلاح الدین ایوبی کرد تھے، مملوکی ظاہر بیبرس تھے۔ مسلمان سب ایک ہیں۔ ان کا معمولی آدمی

بھی ان کی نمائندگی کر سکتا ہے۔ان پر یہ فرض ہے کہ ارض اسلام، مقدسات اسلام اور حرمات اسلام کی مدافعت میں اٹھ کھڑے ہوں۔ شیخ احمد یاسین کی شہادت انہیں اتفاق واتحاد کی لڑی میں پرونے کی دعوت ہے۔انہیں مل جل کر اعتصام بحبل اللہ کا آوازہ ہے۔انہیں چاہئے کہ پوری قوت سے آواز اٹھائیں، ریلیاں نکالیں، تار کریں، غائبانہ نماز جنازہ پڑھیں اور ہر طرح اپنا احتجاج اور اپنا غصہ درج کرائیں۔ ہم تمام عربوں، تمام مسلمانوں کو آواز دیتے ہیں کہ نبوتوں کی سرزمین کی آزادی کی لڑائی لڑنے والے اپنے بھائیوں کی صف میں کھڑے ہو جائیں، ان کی مالی مدد کریں، کم از کم اتنا تو کریں کہ یہ بقدر سد رمق پر ہی گزارا کر سکیں۔یاد رکھئے، ہر عرب پر اور ہر مسلمان پر یہ حرام ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے، بھرپور نیند سوئے، جبکہ اس کے بھائی بھوک سے جان دے رہے ہوں۔اسرائیل اور اس کے حلیف امریکیوں کی کوشش یہ ہے کہ وہ ان تمام سوتوں کو خشک کر دیں جہاں سے بھی فلسطینیوں کو کچھ مدد ملتی ہو، ہمارا فرض ہے کہ ان کے اس منصوبہ کو ناکام بنا دیں۔ان کی چال کو اکارت کر دیں اور اِن کو اتنا دیں کہ وہ زندہ رہ سکیں اور جہاد جاری رکھ سکیں۔

۹۔ نویں بات ہمیں دنیا کے ان تمام شرفاء اور حریت کے علمبردار انصاف پسندوں سے کہنی ہے جنہوں نے عراق پر ناجائز حملہ کی مخالفت میں لاکھوں لاکھ کی تعداد میں ریلیاں نکالیں، امریکہ اور اس کے بے شرم اتحادیوں کو چیلنج دیا، ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ فلسطینیوں کے حق میں بھی آواز اٹھائیں اور وحشتناک صہیونی جرائم پر اظہار ناراضگی کریں جن کا صبح وشام سامنا فلسطینی مظلومین کرتے ہیں۔جن کی ایک خوفناک جھلک شیخ احمد یاسین کے بے دردانہ قتل کی واردات میں بھی دنیا نے دیکھ لی ہے۔اسی طرح ہم عالمی اداروں اور تنظیموں کو بھی آواز دیتے ہیں کہ وہ صہیونیوں کے بارے میں اپنا فرض ادا کریں۔ جو تمام تسلیم شدہ عالمی اقدار، قوانین، اخلاقیات اور عرف کو دیوار پر پھینک مارتے ہیں۔

آخر میں صہیونیوں سے بھی یہ کہنا ہے کہ نبیوں کے قاتلو! تم نے وہ جرم کیا ہے جسے کوئی بھی معاف نہیں کرے گا، اس میں ہمارے لیے خوش خبری ہے، تمہاری بربادی کا اعلان ہے کہ ظالم کے ظلم وستم آخر میں اسی پر پلٹ جاتے ہیں۔آج جو کچھ ہو کل بھی آنے والا ہے جب تمہارا یومِ حساب شروع ہوگا۔اللہ ظالمین کی رسی دراز کیے جاتا ہے یہاں تک کہ جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو

ان کوایسا پکڑتا ہے کہ جائے فرار بھی نہیں ملتی، حدیث میں آیا ہے:

''إنّ الله ليملي للظالم حتىّ إذا أخذه لم يفلته'' اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

اور قرآن نے کہا:

وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۝ (ہود:١٠٢) اسی طرح تھی تیرے رب کی پکڑ جب اس نے ظالم قوموں کو پکڑا۔ اس کی پکڑ یقیناً بڑی شدید ہے۔

❁❁

روشنی کا مینار شیخ احمد یاسین

ڈاکٹر عبدالعزیز الرنتیسی شہید

شیخ احمد یاسین زندگی میں ایک بڑا اسلامی رمز تھے شہادت کے بعد نشانِ راہ بن گئے۔ وہ امت کی پوری تاریخ میں ایک فرد فرید تھے کہ جس طرح انہوں نے کمزوری کو قوت میں بدل دیا اس کی کوئی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی، انہیں نہ اسی پر یقین تھا کہ انسان مطلقاً کمزور ہے نہ اس پر کہ وہ مطلقا طاقت ور ہے کہ مطلق قوت تو اللہ ہی کی صفت ہے۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۝

(بقرہ:١٦٥)

''کاش کہ ظالم عذاب کو دیکھ کر سمجھ لیتے کہ ساری قوت تو اللہ کو حاصل ہے۔

ظالم اور کمینے یہودیوں کے ہاتھوں شہادت سے پہلے شیخ ٦٨ رسال کے ہو گئے تھے، جن میں پورے ٥٤ رسال انہوں نے مکمل مفلوجی کے عالم میں گذارے۔ بچپن میں ایک حادثہ کے سبب ان کی گردن کی ہڈیاں شل ہو گئی تھیں پھر سر کے علاوہ سارا جسم شل ہو گیا۔ وہ بے حرکت ہو گئے لیکن قدرتِ خداوندی ہے کہ اسی بے حرکت شخص نے ایک زندہ تحریک کھڑی کر دی۔ کرسی پر بیٹھے ہوئے

اس کمزور بوڑھے نے بے سروسامان فلسطینیوں کو ظالم و جابر یہودیوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اس نے پہلے پتھر، غلیل اور چاقوؤں سے اسرائیل کی توپوں، ٹینکوں اور طیاروں کا سامنا کیا، پھر بندوق سے اور پھر القسام راکٹ بنا کر۔ اس طرح کمزوری سے بتدریج وہ توانائی قوم کو دیدی کہ امریکہ و اسرائیل کا شر کا محور بھی اسے نظر نہیں کر سکتا۔

یہ صلیبی صہیونی گٹھ جوڑ فلسطینیوں کی شکست و ریخت کی توقع کر رہا تھا کہ اچانک شہادت کی کارروائیوں نے انسانوں کو بموں میں بدل دیا اور شر کی قوتیں یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ اس نئے انسانی بم کا مقابلہ کرنے سے ان کی جدید ترین ٹیکنولوجی سے لیس اور جدید ترین ہتھیاروں سے مسلح فوج عاجز ہے۔ دنیا نے دیکھا کہ کمزوروں اور مجبوروں کے معاشروں میں شہادت کا ایک نیا کلچر پروان چڑھ رہا ہے۔ یہودی انبیاءؑ کے قاتل رہے، ان کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن کیا انبیاءؑ کے قتل سے وہ ان کے نور کو بجھا سکے؟ جس اندھیرے کی یہ حفاظت کر رہے تھے کیا وہ برقرار رہ سکا؟۔ آج یہ مجرم ایک نحیف و زار شخص کے قتل سے کیا حاصل کر سکیں گے سوائے اس کے کہ انہوں نے ان کا نور بجھانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں جو فرماتا ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اور حدیث قدسی میں آیا ہے:

''من عادى لى وليا فقد آذنته بالحرب.''

جو میرے دوست سے دشمنی کرے گا میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ ان باتوں پر یہ ہنسی ٹھٹھا اڑائیں گے، لیکن جو اہل نظر ہیں وہ جانتے ہیں کہ آیت و حدیث میں کیا معانی پنہاں ہیں اور وہ مفسدین فی الارض کے لیے دھمکی ہیں۔ شیخ احمد یاسین زندگی بھر شر و فساد و ظلم و جبر کی قوتوں کے خلاف نبرد آزما رہے ان کے تصورات و افکار ان کے تلامذہ، شاگردوں اور مریدوں کے دلوں میں پیوست ہو چکے ہیں۔ ان کی شہادت پر ان کا کہنا وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا تھا جب غزوۂ احد میں آپ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی تو انہوں

نے فرمایا تھا:

''موتو علی ما مات علیہ'' جس مقصد کے لیے وہ مرے اسی کے لیے تم بھی جان دو۔

امت مسلمہ کے ان لوگوں پر جو کمزوری کا بہانہ کرتے ہیں شیخ کا وجود ایک حجت تھا ان کی شہادت بھی حجت ہے۔ اسی طرح اسرائیل کے اس وحشیانہ و بہیمانہ جرم نے ان سارے لوگوں کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے جو صہیونیوں کے ساتھ سودے بازی کر رہے ہیں۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ شیخ کی شہادت سے فلسطین کو نئی زندگی ملے گی اور فلسطینیوں کو مٹا ڈالنے کے یہودیوں کے منصوبے خس وخاشاک کی طرح بہ جائیں گے۔ آج یہ ظالم ہنس رہے ہیں لیکن میں انہیں خدا کا قول یاد دلاتا ہوں:

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ اپنے اعمال کے بدلے میں ان کو تھوڑا ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیے۔ یہ تو ہونا ہی ہے۔

شہید فلسطین شیخ احمد یاسین کے بعد حماس کا مستقبل؟

وسام عفیفۃ فلسطین

شیخ فلسطین، حماس کے بانی ورہ نما اور عربیت واسلامیت کی ایک علامت شیخ احمد یاسین رخصت ہو گئے۔ دنیا میں ان کی آخری ساعت فجر کی نماز اور آیات قرآنیہ میں گذری جو وہ کرسی پر بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ مسجد سے نکلتے ہوئے احباب وتلامذہ صہیونیوں کی دھمکی کے بارے میں بتا رہے تھے جس کو انہوں نے مسکرا کر سنا تھا۔ ان کی شہادت پر پورا فلسطین رویا، ان کی جدائی نے سب کو رنجیدہ کر دیا لیکن فلسطین کے فرزندوں، شیخ کے انصار واعوان، تلامذہ و منتسبین اور حماس کے لوگوں کو سب سے زیادہ ڈھارس اس چیز سے مل رہی ہے کہ اللہ نے انہیں شہادت کے لیے چن لیا جس کی ان کو تمنا تھی۔

لاکھوں فلسطینیوں نے ان کو روتے بلکتے رخصت کیا اور کفن دفن سے فراغت کے فوراً بعد تحریک کے تینوں قائدین، عبد العزیز الرنتیسیؒ، محمود الزھار، استاذ اسماعیل ھنیہ سے لاکھوں لوگوں

نے بیعت اور تجدید عہد کیا۔ تحریک کی مجلس شوری میں اب یہی قائد بچے ہیں جن میں اب رئیسی بھی شہید ہو گئے کیوں کہ شوری کے تین ممبران، ابراہیم المقادمہ، شیخ صلاح شحادہ، اور انجینئر اسماعیل ابو شنب پہلے ہی شہید ہو چکے ہیں۔ (واضح رہے کہ تحریک کی سپریم باڈی کے دو ارکان ڈاکٹر ابوموسیٰ مرزوق اور استاذ خالد مشعل بیرون وطن موجود ہیں) ڈاکٹر محمد زھار نے بتاکید کہا کہ یہ مجرمانہ حرکت غیر متوقع نہ تھی تاہم ہم صہیونی دشمن کا مقابلہ جاری رکھیں گے۔ شیخ احمد یاسین اور دوسرے اہم قائدین کی شہادت کے بعد اب سوال یہ پیدا ہو رہا ہے کہ کیا حماس شل ہو جائے گی یا اس کی سرگرمیاں جاری رہیں گی پے در پے شہادتوں کے اس حساب سے کیا فلسطینی نفسیاتی طور پر کمزور پڑیں گے یا ان کے حوصلے بلند رہیں گے؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو ذہن میں یہ رہنا چاہیے کہ حماس اخوان المسلمون کی ایک آزاد شاخ ہے، اخوان ہی اس کی سرپرست (Mother Organisation) ہے، جس کی اولین ترجیح مسئلہ فلسطین ہے۔ اس کے علاوہ بیرون وطن حماس کا پولٹ بیورو کام کر رہا ہے، جس کے سربراہ خالد مشعل ہیں، اسامہ حمدان لبنان میں تحریک کے ترجمان ہیں، عماد علمی تہران میں اس کے نمایندہ تھے، پولٹ بیورو کے ایک اور رکن محمد نزال ہیں، ان کے علاوہ اور بھی شخصیات ہیں، شیخ احمد یاسین کے دور زنداں میں اسی بیرونی قیادت نے رہنمائی کا فریضہ انجام دیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حماس نے فوجی بازو کو ہمیشہ الگ رکھا ہے، اور فوری وناگزیر فیصلے کرنے کا مجاز قرار دیا ہے۔ سیاسیات کے ایک ماہر عاطف عدوان (استاذ غزہ یونیورسٹی) کہتے ہیں کہ حماس ایک نظریاتی تنظیم ہے اور اس پر اس سے قبل اب سے زیادہ سخت مراحل بھی آچکے ہیں۔ انسان مرتے رہتے ہیں قیادتیں آتی جاتی ہیں، لیکن آئیڈیالوجی کبھی نہیں مرتی، جس تحریک کے ارکان اور ممبران فکر رکھتے ہیں وہ کسی کام کی انجام دہی کے لیے ہمیشہ کسی قائد کے محتاج نہیں ہوتے۔ پھر ماضی میں یہ موجود سیاسی قیادت ایک بار جلاوطن بھی کی جا چکی ہے (مرج الزھور میں) لیکن تحریک اس کے باوجود جاری رہی۔ اس لیے اسرائیل شیخ احمد یاسین اور دوسرے قائدین کو شہید کر کے تحریک کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

قائد امت کی شہادت

کاؤنسلر، شیخ فیصل مولوی

سیکریٹری جنرل الجماعۃ الاسلامیۃ لبنان

شہیدوں کا لہو آزادی کی جنگ کا بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔ وہ تاریکیوں اور گھپ اندھیروں میں روشنی کی لکیر بن جاتا ہے لیکن اگر شہید خود تحریک کا قائد اور مؤسس ہو، خود مربی اور نمونہ اور فیصلہ ساز ہو، جب شہید احمد یاسین جیسا مشلول البدن ہمیشہ موونگ چیئر پر رہنے والا ۷۰ رسال کا بوڑھا ہو اور جب کہ جنگ ایک مفلوک الحال بے خانماں اور بے سروسامان قوم کے، جسے عربوں اور مسلمان بھائیوں سے بھی کوئی مدد نہ مل رہی ہو اور اور علاقہ کی سب سے خطرناک سرکش اور ظالم قوت کے مابین ہو، جس کی مدد و تائید دنیا کی سپر پاور اور سب سے بڑی شیطانی قوت امریکہ کر رہا ہو اور وقت فجر کا ہو دعاء ماثور کے بعد کا ہو جب کہ انسان ہر طرح کے گناہوں اور آلودگیوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور قلب سلیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تیار ہوتا ہے تو پھر ایسی موت کے کیا کہنے ہیں۔ ایسے ہی عالم میں احمد یاسین شہادت سے سرفراز ہوتے ہیں، فرشتے اور ملائکہ ہر چہار جانب سے جوق در جوق اترتے ہیں اور اس پاکیزہ روح کے جلو میں چلتے ہیں کہ اسے زمین کی بلندی سے آسمان کی بلندیوں تک لے جائیں۔

میرے سامنے وہ مجاہد و صابر قوم ہے جس کی جھولی میں اللہ سے تعلق اور توکل کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کا محتاج نحیف ولاغر اور بالکل تہی دست قائد صدق اور اخلاص کے ساتھ مالک الملک صاحب قوت و جبروت کی طرف متوجہ ہوا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دوسری ہی قسم کا آدمی بن گیا وہ اپنے مضبوط ارادہ، عزم و حوصلہ اور بے لچک موقف کے ساتھ کیل کانٹوں سے لیس صہیونیوں کا مقابلہ کر رہا ہے۔ سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں مگر وہ ڈٹا ہوا ہے۔ وہ اپنی متحرک کرسی پر بیٹھ کر گفتگو کر رہا ہے، لاکھوں دل اس کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں کیوں کہ وہ ان کے احساسات و جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ پھر وہ شہید ہو جاتا ہے اس کی پاک روح پرواز کر جاتی ہے صہیونی اپنے بلوں میں دبک جاتے ہیں۔ ان کی سڑکیں ویران ہو جاتی ہیں۔ یعنی وہ زندہ تھا تب بھی اس سے خوف کھا

رہے تھے اور آج جب وہ مر چکا ہے تو آج کہیں زیادہ خوف زدہ ہیں کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ مقابلہ ایک غیر معمولی انسان سے ہے۔ وہ تقدیر سے لڑ رہے ہیں۔ اللہ کی تقدیرات کے عابدوں اوردن کے مجاہدوں کے ہاتھوں تحریر ہورہی ہے۔ جنہوں نے مدرسہ نبوت میں تربیت پائی ہے، جن کا مربی تحریک اسلامی کا رجل عظیم شہید احمد یاسین ہے۔

عالم وقائد شہید احمد یاسین نے ایک ساتھ دو بلندیاں پالیں۔ ایک درجۂ شہادت جوان کی دلی تمنا تھی کہ بچپن سے بھی ان کی زبان پر تھا (الموت فی سبیل الله أسمی أمانینا) یہ وہ بلند آرزو ہے۔ جس کی تمنا خود رسولؐ نے کی تھی فرمایا:

والذی نفسی بیده، لوددت أن أقتل فی سبیل الله، ثم أحیا ثم أقتل، ثم أحیا ثم أقتل، ثم أحیا ثم أقتل، (رواه الشیخان)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔

دوسری چیز فتح ونصرت ہے، جوان شاء اللہ ملے گی۔ غزہ میں ہزاروں لوگوں نے ان کو رخصت کیا اور لاکھوں نے دنیا بھر میں ان کے لیے آنسو بہائے۔ یہ سب گواہی دے رہے ہیں کہ ان کی تحریک مزاحمت حقیقی معنی میں اسلامی تحریک مزاحمت ہے جو ہر روز خون دے کر تلوار پر اور محاذ پر ڈٹ کر شکست خوردگی پر فتح پارہی ہے کہ اسے یقین کامل ہے کہ نصرت کا خدائی وعدہ پورا ہو کر رہے گا،

إِنْ تَنْصُرُ واللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ، (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا)

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ..... (اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا)۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (مومنین کی مدد کرنا ہمارے لیے ضروری ہے)۔

اور اگر شہید احمد یاسین اپنی زندگی میں حتمی فتح کا جلوہ نہ دیکھ سکے تو وہ زندگی بھر فتح، نصرت کی علامت اترتی دیکھتے رہے تھے انہیں اس بارے میں ذرا بھی شک نہ تھا۔

فلسطینی قوم کا حق ہے کہ وہ انتفاضہ اور روحِ روانِ انتفاضہ، تحریک مزاحمت اور اس کے قائد پر فخر

کرے، تمام عربوں اور پوری امت کو یہ حق ہے کہ وہ مایوسی وشکست خوردگی کے عالم سے نکال کر اسے جرأت مندانہ موقف کا علمبردار بنا دینے والی قیادت پر فخر کرے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی حکومتوں اور مملکتوں پر بھی ہمارا یہ حق ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہوں، ہمارے دشمنوں کی صف میں نہ کھڑی ہوں، وہ ہمارے جذبوں کی ترجمانی کریں نہ کہ دشمنوں کی خواہشات کی۔ انہیں صہیونی وامریکی دشمنوں کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے جو ہمیں ہر جگہ ذلیل وخوار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہمارا یہ حق ہے کہ ہم ان سے مطالبہ کریں کہ دشمن سے مصالحت کی تمام حرکتیں بند کی جائیں، اس کے سفارت خانے اس کے تجارتی مراکز سب بند کیے جائیں، اس کے نمائندوں اور سفیروں کو بھگا دیا جائے اس کے ساتھ ہر قسم کا تعاون بند کر دیا جائے۔ نام نہاد امن کے معاہدوں کو ہر بار شیرون ذبح کر دیتا ہے عرب اس پر روتے چلاتے ہیں۔ کیا یہ المیہ نہیں کئی عرب ملکوں سے بہادر فلسطینی مجاہدوں کو بھگا دیا جائے اور صہیونیوں کا وہاں استقبال ہو؟ کیا یہ المیہ نہیں کہ فلسطینی بھوکے مریں، ہم مزے اڑائیں، فلسطینیوں کے گھر ڈھا دیے جائیں، ان کی کھیتیں جلا دی جائیں، زمینیں چھین لی جائیں، مردوں، عورتوں اور بچوں کو رات دن قتل کیا جائے ہم ان کی مدد بھی نہ کر سکیں، ان کا دفاع نہ کریں حتیٰ انہیں مالی مدد بھی پہنچانے سے روکے جائیں!

کیا ہمیں یہ حق نہیں کہ آنے والی عرب چوٹی کانفرنس سے مطالبہ کریں کہ وہ غیرت وحمیت کا ثبوت دے اور امن کے اس سراب سے اپنا ہاتھ کھینچ لے جسے اس نے گذشتہ چوٹی کانفرنس میں منظور کیا تھا۔ کیوں کہ اب یہ بالکل ظاہر وباہر ہو چکا ہے کہ صہیونیوں کو امن سے کوئی دل چسپی نہیں۔ اب چوٹی کانفرنس پر واجب ہے کہ وہ آزادی ومزاحمت کی فلسطینی تحریک کا ساتھ دے تا کہ ان کا وطن آزاد ہو اور حق خود ارادیت حاصل ہو سکے۔

شیخ احمد یاسین حماس کے شیخ، انتفاضہ کے محرک اور مزاحمت کے روح رواں تھے اور اب شہادت کے بعد ان کی روح عربوں اور مسلمانوں بلکہ تمام آزادی پسندوں کے اندر حلول کر گئی ہے، آج وہ پوری امت کے قائد اور اس کی زندگی کی علامت بن گئے ہیں۔

ہم اپنے شیخ، محبوب قائد شہید احمد یاسین اور ان کے ساتھیوں کو آفرین کہتے ہیں، ہماری

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ان سب کو اور ہمیں انبیاء صدیقین وصالحین کی معیت دے جن سے بہتر کوئی رفیق نہیں۔ اور فلسطین مجاہد قوم کو بھی آفریں ہے جس نے ایمان ویقین کی داستان دہرادی ہے ،اور قومی عزت وآبرو کے لیے قربانیاں دینے کی تاریخ زندہ کردی ہے اور کیوں نہ ہو وہ امت خیر کی بہترین نمایندگی کررہی ہے۔

باب پنجم

فکر روشن (انٹرویوز)

پہلا انٹرویو

﴿معذوری و مفلوجی کے باعث شیخ احمد یاسین نے کوئی تحریر نہیں چھوڑی، وہ اپنے بیانات اور خطوط املا کراتے تھے۔ لھذا ان کے افکار و خیالات کو جاننے کا بہترین ذریعہ ان کے انٹرویوز، تقریریں اور پیغامات ہیں، اس باب میں ہم ان کے انٹرویوز کا ایک انتخاب پیش کررہے ہیں۔﴾

بزور قوت ''انتفاضہ'' کو کچلنا ممکن نہیں تحریک مزاحمت اسلامی ''حماس'' کے بانی و قائد شیخ احمد یسٰین نے ''انتفاضہ اقصیٰ'' کی یک سالہ تقریب کے موقع پر عربی ہفت روزہ ''المجتمع'' (کویت) کو دیئے گئے ایک خصوصی انٹرویو میں زور دے کر کہا کہ ''انتفاضہ'' نے فلسطینی عوام کی وحدت اور اتفاق کو ثابت کر دیا ہے اسی طرح ''انتفاضہ'' کے نتیجہ میں عرب اور بین الاقوامی سطح پر مسئلہ فلسطین سے یکجہتی کا اظہار ہوا ہے شیخ کا خیال ہے کہ اسلامی رجحان ہی قومی اتحاد کی اساس ہے۔ اب جبکہ تمام دھڑے مسلح جہد و جہد کی پالیسی کی طرف مائل نظر آتے ہیں زمانہ نے اس کے نقطہ نظر کی افادیت ثابت کردی ہے۔

شیخ موصوف نے فرمایا: اگر چہ ''انتفاضہ'' کو کچلنے کی سازش بڑی گہری ہے مگر فلسطینی عوام غاصبانہ قبضہ کے خاتمہ تک بے شمار ''انتفاضے'' برپا کرنے کے لیے تیار ہیں قائد ''انتفاضہ'' نے ''حماس'' کے مجاہدین سے اپیل کی کہ وہ اپنی فدایانہ کارروائیوں میں فوجیوں کو نشانہ بنائیں۔

انٹرویو وسام عفیفہ نے لیا گفتگو کا متن پیش خدمت ہے۔ اردو ترجمہ برادر ہشام الحق ندوی نے کیا ہے۔ جس میں مؤلف نے خفیف سی تبدیلیاں کی ہیں۔

سوال: ''انتفاضہ'' اقصیٰ کا ایک سال پورا ہو گیا؛ آپ کی نظر میں اس کے مثبت نتائج کیا کیا ہیں؟

☆ ''انتفاضہ'' نے فلسطینی عوام کو جارحیت کے مقابلہ کے لیے میدانی سطح (Field level) پر متحد کر دیا ہے، چنانچہ وہ مسلح جد و جہد کی پالیسی متفق ہو گئے ہیں۔

☆ صہیونی جارحیت کے خلاف اختیار کی جانے والی نام نہاد پر امن تدابیر کے سلسلے میں

عوامی نقطہ نظر تبدیل ہوا، کیوں کہ گزشتہ آٹھ سالوں کے مذاکرات اور معاہدوں کا نتیجہ بڑا ہی تلخ تھا۔

☆ اس ''انتفاضہ'' میں فلسطینیوں نے ثابت کردیا کہ چاہے طاقت کا توازن کتنا ہی بگڑ جائے اوران کے خلاف تشدد و جارحیت کے کتنے ہی ہتھ کنڈے اختیار کیے جائیں، وہ مقابلہ کی طاقت رکھتے ہیں، ثابت قدم رہ سکتے ہیں اور قربانیاں دے سکتے ہیں۔

☆ ''انتفاضہ'' نے مسئلہ فلسطین کی عربی اور اسلامی بنیادوں کو از سر نو زندہ کردیا ہے۔ نیز ان دونوں سطحوں پر مادی اور سیاسی امداد بہم پہنچائی ہے

☆ دنیا بھر کے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ فلسطینی مظلوم ہیں اور اپنی آزادی وخود مختاری چاہتے ہیں، بین الاقوامی سطح پر ان کی ہمدردی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ بیلجیئم میں شیرون کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کے حالیہ اقدامات اور جنوبی افریقہ کی ڈربن کانفرنس میں ظاہر ہونے والے ردعمل اسی ہمدردی کے بعض مظاہر ہیں۔

سوال: اس کے منفی پہلو کیا کیا ہیں؟

جواب: میرے خیال میں اس کے منفی پہلو تھوڑے ہی ہیں، شاید ان میں اہم ترین یہ ہیں: ایجنٹوں اور زر خرید غلاموں کی صورت حال میں اضافہ، کمزور لوگوں کا دشمن کے جال میں پھنسنا فلسطینی اتھارٹی کا مذاکرات کی پالیسی کو مقابلہ کی پالیسی پر ترجیح دینا اور اس پر مصر رہنا وغیرہ۔

قومی اتحاد

سوال: میدانی سطح پر نمایاں ہونے والے قومی اتحاد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: موجودہ اتحاد ظاہری ہے، یہ مشترک نظریات اور بنیادوں پر مبنی نہیں ہے، کیوں کہ افکار و نظریات، منصوبوں اور پالیسیوں کے اعتبار سے تمام ہی گروپ ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں اور انہیں باہم ضم کر کے ایک سانچہ میں ڈھالنا مشکل ہے۔ تاہم اتنا تو ہوا کہ

موجودہ ظاہری اتحاد نے ان تمام تضادات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے، خصوصاً مقابلہ کی پالیسی کو اختیار کرنے اور مشترک سرگرمیوں اور کاروائیوں کو منظم کرنے کے لیے جائزہ کمیٹی تشکیل دینے کے بعد میرا خیال ہے کہ یہ وہ آخری صورت ہے، جہاں تک ہر فلسطینی گروپ کے افکار اور پالیسیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

سوال: ایک خیال یہ ہے کہ فکر اسلامی کی لہر قومی اتحاد کے فروغ میں رکاوٹ ہے؟

جواب: نہیں بلکہ اسلامی رجحان ہی اتحاد کی اساس اور بنیاد ہے، کیوں کہ میدان عمل میں قربانی اور جان نثاری کے اعتبار سے یہی طبقہ سب سے زیادہ پیش پیش ہوتا ہے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے، چنانچہ اسلامی دھارا اپنے کو تمام نظریات کے حامل جماعتوں مثلاً بائیں بازو، قومی گروپ اور سیکولر گروپ کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے عقائد اور حکمت عملی سے دست بردار ہو جائیں تو وہ حقائق کو نظر انداز کرتے اور لغوبات کہتے ہیں۔

سوال: واقعات پر نظر رکھنے والوں کا احساس ہے کہ ''انتفاضہ'' کو عمل میں لانے والے گروپوں میں سب سے اہم ''حماس'' ہے۔ آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ ایک اچھا سوال ہے اور اس سے ان لوگوں کی باتوں کی تردید ہو جاتی ہے جو ہم پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم قومی اتحاد کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ''انتفاضہ'' میں اسلام پسند گروپ کے کثرت سے شامل ہونے کے دو اسباب ہیں: ایک مثبت اور دوسرا سلبی۔

مثبت سبب کی بنیاد تحریک اسلامی کا اپنی حکمت عملی اور مجاہدانہ پالیسی پر قائم رہنا، اس پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا، قید و بند کے کلی طور پر خاتمہ کی کوشش اور تعاقب کو برداشت کرنا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دن بھی آ گیا جب ان کے نقطہ نظر کی صداقت کی شہادت دی گئی، بالفاظ دیگر انہیں عوام کا اعتماد و اطمینان حاصل ہوا اور ان کی کشش

لوگوں کو ان کے نقطہ نظر، ان کی پالیسی اور حکمت عملی کی طرف کھینچ لائی۔

سلبی اسباب دراصل نتیجہ ہیں دوسری تدابیر کی ناکامی کا نیز ان تدابیر کے اختیار کرنے والوں کی اس مایوسی کا کہ ان سے کچھ حاصل نہیں ہوا ہے۔ اسی بات نے انہیں اس پالیسی کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا جسے تحریک اسلامی نے پیش کیا تھا۔

سوال: آپ کے خیال میں ۱۹۸۷ء کے ''انتفاضہ'' اور موجودہ ''انتفاضہ'' اقصیٰ کے درمیان اہم امتیازی خطوط کیا کیا ہیں؟

جواب: دونوں کے درمیان نمایاں امتیازی خطوط یہ ہیں کہ ۱۹۸۷ء کے ''انتفاضہ'' میں مذاکرات کا کوئی آپشن نہ تھا صرف اور صرف مقابلہ ہی کی پالیسی تھی، نہ اس وقت تک کوئی اتھارٹی تھی، ''اب اتھارٹی'' ہے اور معاہدہ اوسلو ہے جو مذاکرات کی میز پر تجویز کیا گیا۔ لہٰذا ''انتفاضہ'' اقصیٰ میں مقابلہ اور مذاکرات دونوں پالیسیوں پر عمل ہو رہا ہے۔ مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے ایک خطرہ ہے ہمارا خیال ہے کہ مقابلہ کی پالیسی سے متعلق عوام کا اعتماد عنقریب ان مذاکرات کے لیے خطرہ بنے گا جو اب تک کامیابیاں حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں خصوصاً جب کہ اہم مسائل مثلاً پناہ گزینوں، گرفتار شدگان، القدس اور آباد کاری کے مسئلہ پر مذاکرات ہو چکے ہیں اور کوئی حل نہیں نکلا ہے۔

سوال: لیکن آپ نہتے ایک مہیب فوجی قوت کا مقابلہ کب تک کر سکتے ہیں۔

جواب: ہم وطن کی آزادی تک کریں گے۔ قوم اگر چہ بڑے پیمانے پر جارحیت کا شکار ہو چکی ہے تاہم۔ اس کے حوصلوں کا سرچشمہ اولاً ایمان باللہ اور نصرت الٰہی پر بھروسہ ہے اور اس کے بعد اس کا یہ ایمان کہ وہ صاحب حق ہے۔ پہلے ''انتفاضہ'' کا تجربہ بھی اسی قسم کا تھا لیکن وہ گہری واقفیت اور بصیرت پر مبنی نہیں تھا۔ بلکہ ابتدائی نوعیت کا تھا، لیکن آج قوم کو مدافعانہ قوت حاصل ہے، اس کا دینی اور قومی شعور بڑھا ہے اور اب قربانی کا جذبہ اس میں پہلے سے زیادہ ہے۔ اس کی مثال میں میں ایک ایسی عورت کی ذہنیت پیش کرتا ہوں جس سے ملاقات کے لیے میں شہداء کی تعزیت کے لیے قائم کیے گئے ایک گھر میں گیا،

اس نے مجھے بتایا کہ وہ چار لڑکوں کی ماں ہے، ان میں سے ایک پہلے ''انتفاضہ'' میں شہید ہوا، دوسرا موجودہ ''انتفاضہ'' میں اور وہ بقیہ کو بھی فلسطین کی نذر کردینے کے لیے تیار ہے۔ کیا اس سے دین ووطن کی طرف انتساب کی آخری انتہاء اور اس پر فخر کا اشارہ نہیں ملتا؟

''انتفاضہ'' کے خلاف سازش

سوال: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ''انتفاضہ'' ایک غیر فطری انجام پر پہنچ کر ختم نہیں ہوجائے گا، خصوصاً امریکہ پر حملے اور اس کے ان اقدامات کے بعد جنہیں وہ ''دہشت گردی'' کے خلاف جنگ قرار دیتا ہے؟

جواب: مجھے ''انتفاضہ'' کے سلسلے میں دشمنوں سے تو کوئی خطرہ نہیں ہے، کیوں کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں حوصلہ مند ہیں، اصل خطرہ ان کوششوں سے ہے جو اندرون سے ہورہی ہیں۔ فلسطینی عوام نے ۱۹۳۶ میں سرفروشانہ کوششیں کیں جنہیں عرب ممالک کی مداخلت نے روک دیا اور ۱۹۸۷ء میں معاہدہ اوسلو نے جو محض کاغذی تھا قومی امنگوں کی تکمیل کیے بغیر انتفاضہ کو روک دیا، اس وقت خطرہ اپنے اندر موجود داخلی اختلاف سے ہے جس سے دشمن کو ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کا موقع ملتا ہے تا کہ وہ کسی بہانہ سے انتفاضہ کو کچل سکے، لیکن یہ مداخلت ہمیشہ برقرار نہیں رہے گی، کیوں کہ یہ ایک تسلی دوا کی مانند ہے جس کا اثر جلد ہی ختم ہوجائے گا اور ہم پھر سے تیار ہوجائیں گے، دیکھئے ۱۹۸۷ء کا انتفاضہ ختم ہوا تو ہم نے پھر انتفاضہ چھیڑ دیا، اسی طرح اگر مقصد حاصل ہوئے بغیر انتفاضہ اقصیٰ بھی ختم ہوجاتا ہے تو تیسرا، چوتھا، دسواں، انتفاضہ شروع کیا جائے گا یہاں تک کہ فتح حاصل ہوجائے۔

سوال: ''حماس'' پر الزام ہے کہ وہ ''قدم بقدم'' کی حکمت عملی کو ملحوظ نہیں رکھتی۔ اس سلسلے میں آپ کیا موقف ہے؟

جواب: دوسروں کے برعکس ہم اللہ پر اعتماد کو سب سے آگے رکھتے ہیں پھر اس کے بعد شرعی

اصولوں کے مطابق ''مرحلہ بمرحلہ'' کی پالیسی بھی اپناتے ہیں، دوسروں کے لیے آسان ہے کہ معاہدے کریں، دستاویزیں تیار کریں اور اگلے ہی دن ان کی خلاف ورزی کریں لیکن ہم اگر عوام اور تاریخ حتی کہ دشمنوں سے بھی جو عہد و پیمان کرتے ہیں اس میں اللہ تعالٰی کے اس حکم کی رو سے ہم پابند ہیں کہ

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ''. (المائدہ:۱)

اے ایمان والو معاہدوں کو پورا کیا کرو۔

''مرحلہ بمرحلہ'' کی پالیسی کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ تھوڑا آرام لیا جائے اور مزید تیاری کی جائے، علاوہ ازیں یہ ایک متعین مدت کے لیے ہوتی ہے نہ کہ دائمی۔ میں نے اس سے پہلے جنگ بندی کی پیش کش کی تھی لیکن دشمن نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور نہ ہی اس پر غور و خوض کیا، کیوں اسے اس سے کم درجہ کی پیش کش کرنے والے، مذاکرات کرنے والے اور اپنے حقوق و شعائر سے دست بردار ہونے والے دستیاب ہو گئے۔

سوال: جائزہ کمیٹی نے جس کے ایک ممبر آپ بھی ہیں یہ اعلان کیا ہے کہ انتفاضہ کا مقصد ۱۹۶۷ء کی سرحدوں پر ایک حکومت کا قیام ہے۔ آپ کے خیالات میں اور اس تجویز میں کیا ربط ہے؟

جواب: جب تک اس معاہدہ میں ۱۹۴۸ء کی بقیہ مقبوضہ زمینوں سے دست برداری کی صراحت نہیں ہے اس وقت تک یہ معاہدہ ہمارے لیے قابل قبول ہے، لیکن اگر اس میں اس کی صراحت ہو گئی تو پھر یہ ہمیں قبول نہیں ہو گا۔ لہذا یہ ایک مجمل اور غیر مفصل بات ہے۔ جس کی تشریح ہم اپنے موقف کے مطابق کریں گے جو حقوق سے دست بردار نہ ہونے پر مبنی ہے اور دوسرے اس کی تشریح اپنے اس موقف کے مطابق کریں گے جو حقوق سے دست برداری کیے چلا جا رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ۱۹۶۷ء کی مقبوضہ زمینوں پر حکومت کے قیام سے کسی کو اختلاف ہو گا، ہم بھی اس مقصد کو تسلیم کرتے ہیں مگر مقبوضہ اراضی سے دست برداری پر تیار نہیں۔

سوال: دشمن کے ساتھ مذکرات جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب: دشمن سے مذاکرات کبھی بھی حرام نہیں تھے، آپ دشمن کے ساتھ بہت سے متعین خطوط پر مذاکرات کے لیے بیٹھ سکتے ہیں کیوں کہ رسول ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ مذاکرات کیے ہیں لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم مذاکرات کس چیز پر کریں، کیسے کریں اور کب کریں؟ اور مذاکرات کے وقت ہماری حیثیت اور پوزیشن کیا ہو؟

سوال: ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ہم اس قسم کے بیانات سنتے رہتے ہیں کہ فلسطینی اتھارٹی کے مخالفین خصوصاً ''حماس'' کو ''اتھارٹی'' کے موقف کا شعور وادراک نہیں بطور خاص جنگ بندی کے سلسلے میں اتھارٹی کے موقف کا۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: بسا اوقات اس قسم کی باتیں مقصد کو سمجھے بغیر بے شعوری سے پھیلائی جاتی ہیں ہم کو مختلف قسم کے دباؤ اور بہت سی لغویات کا علم ہے لیکن ہمیں ان کو مان لینا بہت مشکل ہے کیوں کہ اس کا مطلب اسرائیلی قبضہ کو تسلیم کر لینا ہے، ہم جانتے ہیں کہ صورت حال بڑی خراب ہے اور متعدد قسم کے دباؤ ہیں ہمیں ان کا شعور ہے، لیکن اسٹریٹجک نقطہ نظر سے ہم انہیں قبول نہیں کر سکتے کیوں کہ دشمن، ہم پر قابض اور مسلط ہے۔

سوال: اگر انتفاضہ ختم کر دیا جائے، اسرائیلی افواج ۲۸/ستمبر ۲۰۰۱ء کی سرحدوں تک سمٹ آئیں اور مذاکرات شروع ہو جائیں تو آپ کا کیا موقف ہوگا؟

جواب: یہ پرانی بات ہے اور تحصیل حاصل ہے۔ انتفاضہ اس مرحلہ سے آگے بڑھ چکا ہے، شہداء اور زخمیوں کے خون اس لیے نہیں بہے اور نہ ہی قوم نے اتنا سارا نقصان صرف اس لیے اٹھایا کہ ۲۸/ستمبر ۲۰۰۱ء کی سرحدیں حاصل ہو جائیں، کیا انتفاضہ اسی لیے برپا ہوا تھا؟ یہ بہت بری بات ہے اور ناقابل قبول ہے۔ جو چیز قوم کو انتفاضہ روکنے پر خواہ مرحلہ وار ہی سہی۔۔ آمادہ اور قائل کر سکتی ہے وہ ہے غاصبانہ قبضہ اور یہودی بستیوں کا خاتمہ اور حریت وآزادی کا حاصل ہو جانا۔۔۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم پہلے ہی اوسلو کو رد کر چکے ہیں اور پہلے ہی عسکری کارروائیاں کر کے اور اپنے موقف کی وجہ سے ہر قسم کے

تشدد اور تعذیب کا نشانہ بن کر ہم نے اپنے اس موقف کو عملی جامہ بھی پہنا دیا ہے۔ اور آج ہم پوری قوت کے ساتھ کہتے ہیں کہ انتفاضہ فتح و آزادی یا شہادت کے حصول تک جاری رہے گا۔

سوال: کیا آپ یہ نہیں سمجھتے کہ صیہونیوں سے جنگ میں مسلح جدوجہد، سیاسی جدوجہد اور مذاکرات کے درمیان ہم آہنگی کی ضرورت ہے، کیوں کہ عسکری کارروائیاں غیر محدود مدت تک جاری نہیں رہ سکتیں؟

جواب: یہ بات درست ہے۔۔۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی جب ناپختہ پھل حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کا مطلوب حاصل نہیں ہوتا، اوسلو کا پھل کڑوا تھا، قوم اسے نگل نہیں سکی، کیوں کہ وہ ناپختہ اور لاحاصل تھا، لہٰذا مسلح جدوجہد کے ناپختہ ثمر و نتیجہ کے حصول کی کوئی بھی کوشش ایک عظیم خسارہ ہوگی۔ ہم نے اپنی طرف سے دشمن سے رابطہ کی ہر صورت کو رد کر دیا ہے، لہٰذا جب تک ایک اتھارٹی موجود ہے وہ اس کام کو انجام دے گی تاکہ لوگوں میں یہ تاثر نہ پیدا ہو کہ ہم ایک غیر موجود کرسی اور اقتدار کے لیے باہم رسہ کشی کر رہے ہیں اس طرح ہم نے بنیادی طور پر اسرائیل سے مذاکرات اور روابط کو مسترد کر دیا ہے اور ہم اس کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ ہم دشمن کے فریب میں نہیں آئیں گے۔ ہم نے اتھارٹی کے لیے میدان چھوڑ دیا ہے وہ مذاکرات کرے، غور و خوض کرے، ہم اس کے لیے رکاوٹ نہیں بنے اور اسکی افادیت کو تسلیم نہ کرنے کے باوجود ہم نے اس کے خلاف طاقت کا استعمال نہیں کیا۔

سوال: ذرائع ابلاغ کے مطابق ''حماس'' نے اس ہفتہ اعلان کیا ہے کہ اگر اسرائیل اشتعال انگیز کارروائیوں سے باز آجائے تو وہ اپنی شہادت پسندانہ کارروائیاں روک سکتی ہے، اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: میں نے یہ بات نہیں سنی کہ ''حماس'' نے اپنی عسکری کارروائیوں کے بند کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ''حماس'' کی ہر قسم کی جہادی کاروائیاں جاری ہیں۔

سوال: خودکش حملوں کا نشانہ اسرائیلی شہریوں کو بنانا کہاں تک جائز ہے؟

جواب: ہم شہریوں کے خلاف نہیں۔ لھٰذا ضروری ہے کہ مجاہدین اپنی کارروائیوں کا نشانہ فوجیوں کو بنائیں خواہ فوجی کہیں بھی ہوں، خواہ ہوٹلوں میں یا تفریح گاہوں میں یا بسوں میں یا ٹرینوں میں۔۔۔ کبھی کبھی غلطی سے شہری بھی نشانہ بن جاتے ہیں لیکن ہمارا نشانہ صرف اور صرف فوج ہوتی ہے۔

سوال: امریکہ میں ہونے والے دھماکوں کے سلسلے میں آپ کا کیا موقف ہے؟ کیا آپ انہیں دہشت گردی، کی کارروئی قرار دیتے ہیں؟

جواب: ہم نے ان کی مذمت کی ہے، ہم انہیں درست نہیں سمجھتے، کیوں کہ ان کارروائیوں کا نشانہ وہ معصوم بنے ہیں جن کا حکومتوں کی پالیسیوں سے کچھ لینا دینا نہیں ہے اور عوام الناس پر دست درازی جائز نہیں اس عمل سے اسلام اور اسلامی دعوت کی کوئی خدمت نہیں ہوئی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ان حملوں میں خود امریکہ کے وہ داخلی عناصر ملوث ہیں جو اس کے تمام مخفی امور اور حقائق سے واقف تھے۔ ہم پوری صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان حملوں سے فائدہ اٹھانے والے خود صیہونی ہی ہیں، اور وہ ان کارروائیوں سے کم از کم اپنے دو منصوبوں کی تکمیل چاہتے تھے جس میں انہیں کامیابی ملی ہے۔ (اوّل) امریکہ میں بڑھتی ہوئی اسلامی لہر کو جو وہاں کی صیہونی لابی کے لیے ایک خطرہ بن چکی ہے بزور قوت ختم کرنا۔ (دوم) امریکہ کو مکمل طور پر صیہونی اکھاڑے میں گھسیٹ لانا تاکہ فلسطینی انتفاضہ کو روکنے کے لیے عربوں پر دباؤ ڈالا جا سکے۔

سوال: امریکہ کے بقول دہشت گردی مخالف محاذ کی تشکیل اور مسلم ممالک پر حملے کے لیے اس محاذ میں عربوں اور مسلمانوں کو شریک کرنے کے امریکی منصوبے کے سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ہم صاف صاف یہ کہتے ہیں کہ کسی بھی عرب اور مسلم ملک کے لیے اس اتحاد میں شامل ہونا جائز نہیں خواہ ان حکومتوں کے اپنے موقف ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف کیوں

نہ ہوں۔ امت کے علماء اور مشائخ نے یہی فتویٰ دیا ہے خصوصاً اس صورت میں جب کہ کسی بھی مسلم ملک کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے، اگر آج ان کی حکومتیں امریکہ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گی تو کل امریکہ خود ان حکومتوں کو کسی نہ کسی بے بنیاد بات کی آڑ لے کر اپنا نشانہ بنائے گا۔

سوال: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ فلسطین میں جاری مسلح جدوجہد کی علمبردار اسلامی تحریکات اس اتحاد کا نشانہ بنیں گی؟

جواب: اسرائیل اور امریکہ یہی چاہتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ زمانہ، اقوام اور واقعات وحوادث اس مرحلہ سے آگے بڑھ چکے ہیں، چنانچہ آج لوگ اس بات کو قبول نہیں کریں گے کہ آزادی کی جدوجہد کو دہشت گردی کی فہرست میں شامل کیا جائے، ہم خود صیہونی دہشت گردی کا شکار ہیں، میں کہتا ہوں کہ جو حکومت بھی اس تجویز کو تسلیم کرے گی وہ از خود اپنی موت کا فیصلہ کرنے والی ہوگی۔ کیوں کہ عوام اسے تسلیم نہیں کریں گے۔

(عربی ہفت روزہ المجتمع شمارہ (۱۴۷۱) مطابق ۶-۱۲/ اکتوبر ۲۰۰۱ء کویت)

دوسرا مفصل انٹرویو

سوال: آپ طویل عرصے تک پس دیوار زنداں، یہودیوں کی قید میں تنہا رہے ہیں اس دوران آپ کی صحت بھی بے حد خراب رہی ہے اور اس عرصے میں مسئلہ فلسطین نے بہت اہم موڑ دیکھے۔ اس ساری صورت حال میں آپ کے احساسات کیا تھے؟ اور کیا آپ اپنی اسیری کے کچھ لمحات یاد کر سکتے ہیں؟

احمد یاسین: میں جیل کی زندگی کو مختلف مراحل میں سے ایک اہم مرحلہ سمجھتا ہوں، اس میں انسان اپنے ایمان کو مضبوط اور روحانی غذا کے حصول کا سامان پاتا ہے۔ جیل میں جب انسان کا تعلق اپنے اللہ کے ساتھ جڑ جاتا ہے تو جیل کی تنگ کوٹھڑی وسیع چمن میں بدلی دکھائی دیتی ہے، انسان عبادات کا صحیح لطف محسوس کرتا ہے۔ مجھے اپنی عبادت میں اب وہ مزا

محسوس نہیں ہوتا جو جیل میں محسوس ہوتا تھا۔ میں جیل میں اپنی ایک ایک نماز میں دو دو پارے تلاوت کر لیا کرتا تھا۔ جیل میں وہ روحانی لطف محسوس ہوتا ہے جسے صرف وہی شخص محسوس کر سکتا ہے، جس نے کبھی تنہائی میں اپنے خالق سے دل کی بات کی ہو۔

ہمارے اسلاف کہا کرتے تھے کہ "میری قید اپنے پروردگار سے مناجات، میری ملک بدری میرے لیے سیاحت اور میرا قتل ہو جانا، شہادت ہے"۔

ہم جیل میں بھی دنیا کے تمام واقعات سے آگاہ رہتے تھے ہمیں جب حالات بگڑے ہوئے دکھائی دیتے تب بھی اللہ پر ہمارا یہ یقین رہتا کہ آخر کار ان حالات کو ٹھیک ہونا ہے جیسے قطب نما کی سوئیاں اپنی جگہ سے ہل بھی جائیں تو آخر کار انہیں اپنی اصل جگہ پر واپس آ جانا ہوتا ہے۔ ہم جیل کے اندر سے بھی اپنے بھائیوں تک اپنے خیالات پہنچانے کا سامان کر لیتے تھے۔ اللہ پر ہمارے اسی بھروسے اور اسی باہم مشورے نے ہماری تحریک کو وہ قوت عطا کی ہے کہ حماس دس سال کے اندر اندر اتنی کامیابیاں حاصل کر چکی ہے جو دوسرے لوگ طویل مدت میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ صرف اور صرف اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے۔

س: آپ حماس کو کسی بھی انحراف سے محفوظ رکھنے کے لیے کن بنیادی اصولوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں:

احمد یاسین: یہی کہ ہم جہاد اور مزاحمت کو ہمیشہ جاری رکھیں۔ لیکن ہم کبھی اپنی بندوق کا رخ اپنے کسی بھائی کی طرف نہ کریں، ہم ہمیشہ اللہ کے تقویٰ اور اسلامی تعلیمات کو اپنا ہتھیار سمجھیں۔ اللہ کا تقویٰ ہی ہمارا اصل سہارا ہے۔

س: جہاد فلسطین میں قیادت نے ہمیشہ قربانیاں دی ہیں۔

احمد یاسین: جی ہاں اور اب بھی۔

ہم ہر وقت ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں اور یہاں مجھے جیل کے وہ یہودی سنتری یاد آ رہے ہیں جو مجھے بڑے تکبر اور مضحکہ خیز انداز سے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے عرب

راہنماؤں کی طرح نہیں ہیں جو اپنے سپاہیوں کو آگے چلنے کو کہتے ہیں اور خود پیچھے رہتے ہیں۔ بلکہ ہم اپنے سپاہیوں کو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے آگے چلتے ہیں اور تم ہمارے پیچھے چلو۔ میں نے مسکراتے ہوئے انہیں کہا یہ ہمارے اصول اور ہمارا طریقہ کار ہے، ہم ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے آگے چلتے ہیں اسی لیے اب بھی ہماری قیادت اپنے ساتھیوں سے پہلے جیل میں قید ہے اور یہ سب ہمارے اللہ پر مضبوط ایمان اور عقیدت کی وجہ سے ہے۔

س: آپ جیل میں اپنے دن رات کیسے گذارتے تھے؟

احمد یٰسین: بس یہی...... صبح فجر سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے جاگنا، وضو کرنا اور اللہ جتنی توفیق دے نوافل پڑھنا پھر نماز فجر پڑھنا پھر طلوع شمس تک تسبیحات کرنا اور نماز چاشت پڑھنا پھر کچھ دیر کے لیے آرام کرنا کیونکہ ہم رات کو بارہ ایک اور کبھی دو بجے تک بھی جاگتے رہتے تھے۔ چاشت کے بعد کچھ آرام کے بعد اٹھ کر ناشتہ کرنا اور روزانہ کے معمولات کے لیے تیار ہونا۔ اخبارات اور مختلف دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا اور نمازوں کے اوقات پر نماز ادا کرنا اس دوران ریڈیو پر گاہے بگاہے خبریں سننا، جیل میں عبادت اور اچھی کتابوں کے مطالعے کے بعد مجھے سب سے زیادہ دلچسپی سیاسی امور سے آگاہی حاصل کرنے سے تھی۔ مطالعہ کے سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ میں امام نووی کی کتاب "المجموع" کا مطالعہ باقاعدگی سے کیا کرتا تھا یہ کتاب ۲۳ جلدوں پر مشتمل ہے۔ میں نے ان میں سے اٹھارہ جلدیں جیل میں پڑھ لی تھیں۔ لیکن جیل سے نکلنے کے بعد میں ابھی تک باقی پانچ جلدیں نہیں پڑھ سکا۔

س: آپ دعوت کے میدان میں سب سے زیادہ کس شخصیت کی ثابت قدمی سے متاثر ہوئے ہیں؟

احمد یاسین: میدان دعوت کا ہر شخص میرے لیے ایک مثال ہے۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر عصر حاضر کی اسلامی تحریک کے ہر کارکن اور قائد تک، مثال کے طور پر امام حسن البناء نے اللہ کے دین کا پیغام عام کرنے کے لیے عظیم جدوجہد کی اور ظالموں کا ہر ظلم برداشت کیا اور یہاں

تک کہ جام شہادت نوش کرلیا، پھر میدان جہاد اور جیلوں میں ہمارے ساتھیوں نے عزیمت کی شاندار مثالیں رقم کیں۔ عزالدین قسام جو فلسطین میں شہید ہوئے، عبد القادر حسینی ۱۹۴۸ء میں عرب ممالک کے دورے پر گئے تاکہ جہاد فلسطین کے لیے کچھ اسلحہ حاصل کرسکیں لیکن وہاں سے بالکل خالی ہاتھ واپس لوٹے پھر اسی حالت میں انہیں یہودیوں کے ساتھ ایک غیر متوازن لڑائی لڑنی پڑی جس میں انہوں نے بیت المقدس کے قریب شہادت پائی۔ اسی طرح ہمارے شہداء اور علماء کی فہرست بہت طویل ہے شہداء کا یہ قافلہ اب بھی رواں دواں ہے۔

اس ضمن میں افسوسناک بات یہ ہے کہ ہماری قربانیوں کا ثمر وہ لوگ لے جاتے ہیں جو ہمیں بھی راہ حق سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔ جہاد افغانستان کامیاب ہوگیا لیکن افغانستان ابھی تک غیر مستحکم ہے۔ باہمی لڑائی کیوں جاری ہے؟ بیرونی ہاتھ سب کو ایک دوسرے سے لڑا رہے ہیں ان قوتوں کی سازش یہ ہے کہ مسلمانوں کو لڑا لڑا کر حالات اس نہج تک پہنچا دیئے جائیں کہ آخر کار وہاں ایک فاسق وفاجر شخص کی حکمرانی بھی قابل قبول ہوجائے۔

س: کیا آپ کو جیل میں یہودی جیلروں کے ساتھ کوئی مکالمہ یاد ہے؟

احمد یاسین: بہت میرے بھائی، کون کون سا مکالمہ یاد کریں۔ ایک روز یہودی انٹیلی جنس ایجنسی (موساد) کا ایک نمائندہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تم لوگ اصل میں چاہتے کیا ہو؟ میں نے کہا ہم اپنا ملک آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم زندہ رہیں ہماری بھی ایک آزاد سرزمین اور ایک وطن ہو جس طرح تم لوگ ایک وطن چاہتے ہو، کہنے لگا تمہارے پاس اتنا بڑا عالم عرب ہے وہاں کیوں نہیں چلے جاتے، میں نے کہا لیکن عالم عرب میں متعدد ممالک ہیں اور ہر ملک کے اپنے شہری ہیں، ہم فلسطینی ہیں اور فلسطین ہمارا دیس اور ہماری سرزمین ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ تم اصل میں کہاں کے رہنے والے ہو؟ کہنے لگا رومانیہ کا...... میں نے کہا پھر تم اپنا وطن چھوڑ کر یہاں کیوں آئے

ہو؟ کہنے لگا۔ ہم اپنی ایک ریاست تشکیل دینا چاہتے ہیں، میں نے کہا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم وطن نہیں ریاست چاہتے ہیو۔ وطن تو تم میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی ہے اور تم سب یہاں آ کر یہودی مملکت تشکیل دینا چاہتے ہو اور ہمیں وطن سے محروم کرنا چاہتے ہو، اس وقت ہمارا نہ کوئی آزاد وطن ہے اور نہ ریاست اس صورت میں ہم اپنے وطن فلسطین کے تم سے زیادہ حق دار ہیں۔

اسی طرح ایک روز صہیونی پارلیمنٹ (نیسٹ) کا ایک رکن ابراہم بورچ میرے پاس آیا اور مجھ سے اس بات پر بحث کرنے لگا کہ فلسطین پر یہودیوں کا حق تم سے زیادہ ہے۔ میں نے اسے کہا کہ یہ دھرتی تمہاری نہیں، ہماری ہے۔ تم کہتے ہو کہ اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ یہ سرزمین ہمیشہ تمہاری رہے گی۔ لیکن ہمارا رب کبھی جھوٹ نہیں کہتا۔ اس نے اگر یہ دھرتی تمہیں ہمیشہ کے لیے دی ہوتی تو وہ کبھی تمہیں دو ہزار سال کے لیے دنیا بھر میں بھٹکنے کے لیے نہ چھوڑتا۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس نے جب یہ سرزمین تمہیں دی بھی تھی تو تم یہودیوں کو نہیں بلکہ اس دور کے نبیوں کو دی تھی جب کہ تم تو ان کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہو جس کی پاداش میں اللہ نے تمہیں ایک تھپڑ دائیں اور دوسرا بائیں رسید کیا اور دنیا بھر میں تمہیں عبرت بنا دیا اس لیے یہ دھرتی تمہاری نہیں مسلمانوں کی ہے کہ جو انبیاء کرام کے اصل وارث ہیں۔

وہ صاحب غصے میں پھنکارنے لگے اور تو کوئی بات انہیں سمجھ نہ آئی کہنے لگا دیکھو ہمارا رب تمہارے رب سے بڑا ہے۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا کہ اللہ تو پوری کائنات میں ایک ہی ہے اور وہی ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ تمہاری مثال تو اب اس لاڈلے بیٹے کی سی ہے کہ جس کے لیے اس کے باپ نے کوئی خوبصورت کار خریدی ہو اور چلانے میں احتیاط کی تلقین کرتے ہوئے اس کے حوالے کر دی ہو۔ وہ صاحب گاڑی لے کر نکلے اور لے جاتے ہی دیوار میں دے ماری.....

شیخ احمد یاسین امت سے شکوہ کرتے ہیں ماجد بن جعفر الغامدی

(ہمیں چھوڑ دو ہم لڑیں گے اور شہادت کا شرف حاصل کرلیں گے)

اپنی شہادت سے کچھ ماہ قبل شیخ احمد یاسین نے نہایت پرزور اور بلند آہنگ میں امتِ مسلمہ سے شکوہ کیا۔ حکومتوں اور حکمرانوں کو پیغامات ارسال کیے، تار بھیجے، ذرائع ابلاغ نے کم ہی اس کا نوٹس لیا۔ ہر پیغام کا اختتام دعا اور اللہ رب العالمین سے گریہ وزاری پر ہوا۔ اور اسی سے ان کے پیغام کی عظمت کا پتہ چلتا ہے، شیخ نے فرمایا:

"عرب بھائیو! کیا تم اپنے حالات پر غور نہیں کرتے کہ کہاں پہنچ گئے ہو؟۔ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں...... میرے دونوں ہاتھ نہ قلم اٹھا سکتے ہیں نہ ہتھیار، میں ایسا خطیب بھی نہیں جس کی بازگشت سے در و دیوار گونج اٹھیں۔ میں اپنی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہوں۔ میری داڑھی سفید ہوگئی ہے اور عمر کا آخری مرحلہ ہے۔ مجھے بیماریوں نے توڑ دیا اور مصائب زمانہ نے شکستہ کر دیا ہے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں عربو! کیا تم واقعی ساکت وصامت اور عاجز ہو یا بالکل مردہ ہو چکے ہو؟ کیا ہمارے مصائب دیکھ کر تمہارے دل نہیں تھراتے؟ کہ تم اللہ کے واسطے اور قوم کی بے آبروئی پر مظاہرے بھی نہیں کر سکتے! چہ جائیکہ اللہ کے ان دشمنوں پر ٹوٹ پڑو جنہوں نے عالمگیر پیمانے پر ہمارے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے! بلکہ انہوں نے ہمیں جو عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے جانیں دے رہے ہیں۔ مجرم اور دہشت گرد بھی قرار دے ڈالا ہے۔ جنہوں نے ہمارے خاتمہ اور تباہی کے لیے ایکا کرلیا ہے! کیا اس امت کو اپنے آپ پر شرم نہیں آتی جس کی عزت اور آبرو داؤں پر لگی ہے!

کیا امت کی ان حکومتوں کے پاس ذرا بھی حیا نہیں جو صہیونی مجرموں اور عالمی اتحادیوں کے جرائم سے صرف نظر کر کے ان کا ساتھ دے رہی ہیں بلکہ انہیں اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ ہماری طرف ایک نگاہ ترحم سے دیکھ لیں! اس امت کی

تنظیمیں، جماعتیں، پارٹیاں، ادارے اور افراد ہمارے لیے غیض وغضب میں نعرہ لگاتے، نکل کیوں نہیں پڑتے۔ کہ ان کے لبوں پر یہ دعاء ہو کہ

یا اللہ......أجبر کسرنا......وارحم ضعفنا......وانصر عبادک المومنین!

کیا تم ہمارے لیے دعاء بھی نہیں کر سکتے! عنقریب تم سنو گے کہ ہمارے بیچ زبردست معرکے چھڑ گئے ہیں۔ جب ہم کھڑے ہوں گے، ہماری پیشانیوں پر لکھا ہوگا کہ ہم دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوئے اور اللہ کے لیے مرے، ہم بھاگے نہیں، ہمارے ساتھ ہمارے بچے، بوڑھے، عورتیں، ہمارے نوجوان ونوخیز لڑکے بھی مر گئے:۔ ہم نے انہیں اس جامد اور بلید امت کے لیے ایندھن بنا دیا۔

ہم سے یہ امید مت رکھو کہ ہم صلح کا سفید جھنڈا لہرائیں گے نہ یہ انتظار کرو کہ ہم جھک جائیں گے!!

کیونکہ مرنا ایسی صورت میں بھی ہے۔ لھذا تم ہمیں چھوڑ دو ہم لڑتے ہوئے مریں گے اور شرف شہادت حاصل کریں گے......

تم چاہو تو ہمارے ساتھ آسکتے ہو جو بھی استطاعت ہو کر سکتے ہو کہ تم میں کا ہر ایک ہمارا انتقام لینے کا عہد کرے۔

تم چاہو تو یہ بھی کر سکتے ہو کہ ہمیں مرتا دیکھو اور ہمیں نظر ترحم سے دیکھ کر رہ جاؤ ہم اس پر مطمئن ہیں کہ جو بھی اللہ کی امانت میں خیانت یا کمی کرے گا اللہ اس سے انتقام لے گا۔

امت کے قائدین! اور امت کی قومو! میں امید کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم ہمارے خلاف مت کھڑے ہو، خدا کے واسطے ہمارے خلاف مت جاؤ......اے اللہ ہم تجھ سے شکایت کرتے ہیں، تجھ سے فریادرس ہیں، تجھ سے روتے ہیں اپنی کمزوری پر، اپنی بے مائیگی پر، اپنی ذلت پر، تو ہی ہمارا اور کمزوروں کا پالن ہار ہے، تو ہمیں کس کے حوالہ کر رہا ہے؟ اس کے جو دور ہے ہم سے بے زار ہے، یا دشمن

کے جو ہم پر قابو یافتہ ہے؟

اے اللہ ہم دہائی دیتے ہیں بہائے گئے خونوں کی، لٹی عصمتوں کی، پٹی حرمتوں کی، یتیم ہوئے بچوں کی، بیوا کردی گئی عورتوں کی، ان ماؤں کی جن کے بچے مر گئے، ان گھروں کی جنہیں برباد کردیا گیا۔ ان کھیتیوں کی جو تلف کردی گئیں۔

اے اللہ ہم فریاد کرتے ہیں اپنے انتشار کی اپنی گٹ بندی اور افتراق کی، آوارہ گردی کی، مستقل نا اتفاقی کی۔ اے اللہ سن لے! کہ ہماری قوم کمزور، امت عاجز اور دشمن غالب ہے، اے اللہ سن لے: (آمین)

شیخ احمد یاسین کے بعض اقوال

۱۔ اسرائیل نے حماس کو کچلنے اور شیخ احمد یاسین کو قتل کرنے کی دھمکیاں دیں تو شیخ نے فرمایا:

''اسرائیل کی دھمکیوں سے ہماری قوت میں اضافہ ہوگا۔ کیوں کہ ہم حق والے ہیں۔ ہم ان دھمکیوں سے خوف زدہ نہ ہوں گے کہ ہم تو شہادت ہی کے طلب گار ہیں''

۲۔ عرب قیادت نے دباؤ ڈال کر حماس کو دشمن سے مذاکرات پر آمادہ کرنا چاہا، جواب میں آپ نے کہا:

''ہم مصالحت کی گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔ جو لوگ یہ پیش کش کر رہے ہیں وہ پہلے دشمن کی طرف سے معاہدہ پر عمل کی ضمانت لائیں۔ پھر ہم اس پر غور کریں گے۔

۳۔ سابق اسرائیلی وزیر اعظم مناحیم بیگن نے کہا تھا کہ'' ہمارا وجود جنگ وتشدد سے ہے'' اس کے جواب میں آپ نے فرمایا'' ہمارا وجود ظلم وجارحیت کے مقابلہ اور مزاحمت کا مرہون منت ہے''۔

یہ بچے سوال کرتے ہیں؟

﴿فلسطین میں انسانی حقوق کی پامالی﴾

موجودہ دور میں روشنی ، آزادی اور جمہوری اور حقوق انسانی کے احترام کا راگ رات دن الاپا جاتا ہے، ہزاروں تنظیمیں اور ادارے حقوق انسانی کی بات کرتے ہیں۔ لیکن ان کی دیکھتی آنکھوں گزشتہ ۶۰ سال سے فلسطین میں انسانی حقوق کا روز قتل عام ہو رہا ہے۔ فلسطینی قوم کے بوڑھے بچے عورتیں اور مرد تاریخ انسانی کے بدترین عذاب اور وحشت ناک ٹارچر کا شکار بنائے جا رہے ہیں، ان کا خون ارزاں ہے، اسرائیلی جیلوں میں ان کی ہڈیاں توڑ دی جاتی ہیں ان کی بستیاں اور مکانات چشم زدن میں بلڈوزر سے تباہ برباد کر دئے جاتے ہیں انہیں جسمانی ، ذھنی اور نفسیاتی اذیتیں دی جاتی ہیں، ان کی آبادیوں میں پانی کے چشموں اور کنووں کو مسموم کر دیا جاتا ہے، ان کے دین اور رسول کو گالیں دی جاتی ہیں، قرآن کی توہین کی جاتی ہے، تخریب کار اور الحاد و الادینیت پھیلانے والے عناصر وہاں آزاد ہیں بلکہ ہر سطح پر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ قادیانی ، بہائی جیسی تخریب کار تحریکیں پوری آزادی سے وہاں کام کرتی ہیں ۔ فلسطینی قیدیوں اور فلسطینی بے خانماں پناہ گزینوں کے مسائل نوخیز بچوں اور نوعمروں کو تشدد خاص نشانہ بنایا جاتا ہے، (اِن مظالم کی تفصیل کے ملاحظہ کریں اسی مؤلف کی کتاب ''ارض فلسطین میں یہودی ظلم و جبر کی داستان) اور حالیہ انتفاضہ میں بچوں کے خلاف تشدد کے اس رجحان میں زبردست اضافہ ہوا ہے فلسطینی میڈیا میں اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں مشتے نمونہ از خروارے کے بطور چند مثال یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔ جو ڈیفنس چلڈرن انٹرنیشنل (DCI) کی رپورٹ سے ماخوذ ہیں۔

جس کے مطابق موجودہ انتفاضہ کے دوران اسرائیلی فوج نے ۱۱۲ معصوم بچوں کو جن میں دودھ پیتے بچے بھی شامل ہیں ، بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ ۳۰۸ بچوں کو گرفتار کیا ہے جو درندہ صفت اسرائیلی فوج کے مختلف بدنام زمانہ ٹارچر تو اتنے شدید ہیں کہ ان پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ جیلوں میں ظلم سہہ رہے ہیں۔ زخمی ہونے والوں کی تعداد ۱۵۶ ہے۔ جن میں اکثریت کی ٹانگیں ، بازو اور آنکھیں متاثر ہوئی ہیں ۔ ۵۰ بچوں کو ٹانگوں سے محروم کیا گیا ہے،

۵۰ بچوں کو بازوؤں سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں، ۱۱۰ بچوں کو بینائی سے محروم کیا گیا ہے۔

بچوں کے خلاف کاروائی اس انداز سے کی جاتی ہے کہ انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔ ۲۷ر مارچ کو غزہ کے نزدیک ایک گاؤں میں دن کے بارہ بجے معصوم محمود جو کہ دودھ پیتا بچہ تھا اپنے دیگر معصوم بہن بھائیوں کے ساتھ دودھ پی رہا تھا، ماں گھر میں مصروف تھی، نصف کلومیٹر کے فاصلے پر موجود جب ایک صیہونی درندے نے دیکھا کہ بچے اس کی زد میں ہیں تو اس نے اپنی گن سے گولیوں کی بوچھار کردی، معصوم دودھ پیتا محمود اپنی جگہ پر ہی ڈھیر ہو گیا اور باقی شدید زخمی ہو گئے۔ ماں نے باہر آکر دیکھا تو اس کا لخت جگر خون میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کے دیگر چھوٹے بچے ادھر ادھر زخمی پڑے ہیں، کسی کی ٹانگ نہیں ہے تو کسی کا بازو نہیں ہے۔ یہ منظر دیکھ کر فرشتے بھی روئے ہوں گے مگر ظالم صیہونی اپنے کامیاب نشانے پر اترا رہے تھے۔

۲۸ر مارچ کو بیرزیت مہاجر کیمپ میں بچے کھیل رہے تھے کہ اچانک صیہونی آرمی نے ان پر بم پھینک دیا جس سے دو بچے ہلاک اور ۲۰ سے زائد زخمی ہو گئے۔

۳۰ر مارچ کو مغربی کنارے کے ایک ہسپتال میں بچہ داخل تھا، اس کی بیماری خطرناک حد تک بڑھ گئی، ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ اس کا علاج یہاں نہیں ہوسکتا اس لیے اس کو باہر کسی بڑے ہسپتال میں لے جاؤ۔ والدین چاہے جانور کیوں نہ ہوں وہ اپنے بچوں کو مشکلات میں دیکھ کر بے چین ہوجاتے ہیں۔ انسان تو انسان ہے اس کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے۔ والدہ نے جب دیکھا کہ اس کا بچہ تڑپ رہا ہے تو اس کی ممتا یہ کیسے گوارہ کرسکتی تھی کہ وہ آرام سے بیٹھ جائے۔ اس نے اپنے شوہر کو مجبور کیا کہ ہمیں بچے کو بچانے کے لیے جو کچھ ممکن ہے وہ کرنا چاہیے۔ آخر دونوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ اس کو بڑے ہسپتال میں لے جائیں۔ بچے کو گود میں اٹھائے سرحد پر پہنچ گئے۔ آگے اسرائیلی فوج تھی، انہوں نے ان کو روک لیا اور پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو، والدین نے فوجیوں کو بتایا کہ ہمارا یہ معصوم بچہ موت وحیات کی کشمکش میں ہے یہ ہسپتال کے کاغذات ہیں اس کا یہاں علاج نہیں ہوسکتا اس کو ہم کسی بڑے ہسپتال میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ الفاظ سنتے تھے کہ صیہونی فوجی درندوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا کہ یہی بچہ بڑا ہو کر ہمارے خلاف مزاحمت کرے گا۔ ہم اس کو علاج کے لیے جانے دیں تو یہ ہماری موت کا پیغام بن کر آئیگا۔ اس خیال کے آنے

کے بعد ظالم صیہونیوں نے ماں سے بچہ چھیننے کی کوشش کی۔ ماں کب زندہ بچے کو دشمن کے حوالے کر سکتی ہے، اس نے بچے کو سینے سے لگالیا۔ وہ فوجی اس پر ٹوٹ پڑے والد کو پکڑ کر ایک طرف لے گئے رسیوں سے اس کو باندھ دیا۔ دوسرے فوجیوں نے خاتون کو مار مار کر ادھ مرا کر دیا تو اس کے ہاتھوں کی طاقت ختم ہوگئی۔ فوجیوں نے بچے کو چھین لیا جو بیمار تھا ماں کے سامنے بچے کو آسمان کی طرف اچھالا اور اس پر بندوق کی پوری میگزین خالی کر دی، بچے کے ٹکڑے فضا میں بکھر گئے والدہ یہ منظر دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھی، والد کا آج تک پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے۔ فوجیوں کو جب یقین ہوگیا کہ یہ عورت اب ذہنی توازن کھو چکی ہے تو انہوں نے اس کو واپس بھیج دیا تا کہ معاشرے میں عبرت کا نشان بن جائے۔

ایک روز قاتل صیہونی آرمی نے اچانک ایک پرائمری اسکول پر حملہ کر دیا اسکول کے تمام دروازے بند کر دیے اور چاروں اطراف سے اس کو گھیر لیا، جیسے یہ دہشت گردوں کا کوئی بہت بڑا ہیڈ کوارٹر ہو۔ محاصرہ کرنے کے بعد زہریلی گیس کے شیل اسکول کے کمروں میں پھینکنے شروع کر دیے، جب گیس سے بچوں کا دم گھٹتا تو باہر آنے کی کوشش کرتے، ایک راستہ صیہونی آرمی نے کھلا رکھا ہوتا تا کہ بچے اسی راستے سے آئیں تو ان کا شکار کر سکیں۔ صیہونی آرمی اس حد تک جا چکی ہے کہ اس نے ایک دن نابینا بچوں کے اسکول پر بمباری کی۔ یہ حملہ مغرب کے بعد کیا گیا۔ ۸۰ کے قریب بچیاں اس اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ جب میزائل اس اسکول پر لگے تو ہر طرف ہلچل شروع ہوگئی، افراتفری کے عالم میں بعض بچیاں اسکول کی چھت سے نیچے گر گئیں۔ ان میں سے اکثر کی ٹانگیں، سر اور بازو ٹوٹ گئے۔ (فرائیڈے اسپیشل پاکستان)

یہ نابینا بچیاں انسانی حقوق کی تنظیموں کے لیے سوالیہ نشان ہیں۔

کیا **UNO** اندھا ہوگیا ہے؟ اسے ان معصوموں کا کوئی خیال نہیں آتا ہے؟

تف ہے عالم عربی کے بے حیاء ذلیل اور عیاش حکمرانوں اور بے حس عوام پر

اور

تف ہے عالم اسلام کی اجتماعی غیرت پر!!!

حرف آخر

قارئین!

شیخ احمد یاسین کی اوراقِ حیات کے یہ چند اوراق ہیں جو غیر مربوط انداز میں پیش کیے گئے ہیں شیخ احمد یاسین گرچہ شہید ہوگئے ان کی شہادت پر جہاد حریت کا ایک باب ختم ہوگیا لیکن عزیمت کا سفر جاری رہے گا۔ ابھی یہ داستان تشنہ ہے، اور اس میں بہت کچھ اضافہ کیا جاسکتا ہے، ہمارے پاس شیخ احمد کے اور انٹرویوز ہیں، ان کے خطوط ہیں، اور انکی شان میں کہے گئے قصائد ہیں، لیکن اختصار کی خاطر قصداً ان سے صرف نظر کیا گیا ہے، کیونکہ اس کتاب کا اصل مقصد مسئلہ فلسطین، حماس تحریک اور شیخ احمد یاسین سے اردو قارئین کو آشنا کرا دینا ہے، یہ عام معنوں میں کوئی مکمل سوانح عمری یا تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس میں طولِ کلام کی گنجائش نہ تھی اس لیے ہر جگہ حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

عالمی میڈیا میں جہاد فلسطین سے متعلق اصل خبروں کو Blackout کیا جاتا ہے یا Mispresentation ہوتا ہے، اور عربی یا اردو کی اسلامی صحافت مغربی میڈیا کی محتاج ہے، اس لیے فلسطین میں واقعۃً کیا ہو رہا ہے اور شیخ احمد یاسین کے مشن اور حماس کی تحریک کا مستقبل کیا ہے، کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ابھی حماس اور اسلامی جہاد جیسی تحریکوں کو پی ایل او کی جگہ پانا باقی ہے اور ابھی فلسطینی کاز کا اصل ترجمان یاسر عرفات کو ہی سمجھا جا رہا ہے، لیکن یہ پوزیشن عرفات کو اپنے موقف سے ہٹنے اور فلسطین کے حقوق سے دست برداری اختیار کرنے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوئی ہے، اور امریکہ و برطانیہ وغیرہ کے دباؤ میں ایسا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت ایک نہ دن ظاہر ہو کر رہے گی، عالمی پروپیگنڈے کی گرد آلود فضا ایک دن چھٹے گی اور صحیح صورتِ حال دنیا کے سامنے آئیگی۔ یہ بات طے ہے کہ حماس اور شیخ احمد یاسین کا موقف ہی درست موقف ہے، اور مسئلہ فلسطین مذاکرات کی میز پر حل نہیں ہوسکتا ہے، صلیبی مغرب اور یہودی گٹھ جوڑ کا مقابلہ جہاد کے میدان میں ہی ممکن ہے، یہ بات فلسطینی سیکولر قیادت کو بھی سمجھ لینی چاہیے اور عالم عرب کے ناسمجھ، بے روح اور بزدل حکمرانوں کو بھی۔

یہ مختصری کتاب اصلاً ایک شخصیت کے تعارف کے طور پر ترتیب دی گئی ہے اور وہ مسئلہ فلسطین سے کم تعلق رکھتی ہے۔جس کی تفصیلی معلومات کے لیے میری دوسری تحریروں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔لیکن اپنے مضمون کے لحاظ سے منطقی طور پر یہ اس پر بھی کافی روشنی ڈالتی ہے۔

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتاہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں ☆ فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش ولذت نمود میں ہے
(اقبالؒ)

مصادر ومراجع:

١۔ فلسطين المؤامرة الكبرى ڈاکٹر محمد مصطفیٰ طحان طبع الکویت

٢۔ فلسطين الارض المباركة ندوة الشباب العالمية مكتب المنطقه الشرقية لجنة شباب فلسطين ، السعوديه

٣۔دستاویزات فلسطین (Palestine Documents) میڈیا اینڈ پبلشنگ 84 ابوالفضل انکلیوئی دہلی ٢٥

٤۔ احمدياسين الداعية المجاهد احمد بن یوسف

٥۔فلسطین،ماضی حال مستقبل،ڈاکٹر مفکر احمد پاکستان

٦۔ القدس قضية كل مسلم . ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی مركز الاعلام العربي ص .ب ٩٣ الهرم الجيزه مصر

٧۔ How Holy is Palestin to the Muslims حسن ایس کرمانی ایسکو رباط ،مراکش

۸۔ Israel/Palestine۔ تانیہ رین ہارٹ Left Word Books ۱۲/ راجندر پرشاد روڈ نئی دہلی۔ مئی ۲۰۰۳

۹۔ Muslim & Asab Perspective v.I Issue-2-3 نومبر، دسمبر ۱۹۹۳ء معہد الدراسات الاسلامیہ نئی دہلی ۲۵۔

۱۰۔ المجتمع کویت، فلسطین المسلمۃ لندن، ملی گزٹ نئی دہلی، فرنٹ لائن چنائی، فرائی ڈے اسپیشل (لاہور) اور سہ روزہ دعوت اور افکار ملی کے مختلف شمارے۔

۱۱۔ مجلة آفاق الثقافة والتراث، مرکز جمعة الماجد دوبئی (مختلف شمارے)

۱۲۔ The Jewish Obsession سرور احمد گلوبل میڈیا پبلیکیشنز 1 فلور J-51-A ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر نئی دہلی۔

۱۳۔ ہفت روزہ الامان شمارہ نمبر ۵۹۹، ۲۶/ مارچ ۲۰۰۴ء بیروت لبنان۔

اردو ادب سے انتخاب

فیض احمد فیض کی دو نظمیں

(ایک ترانہ فلسطینی مجاہدوں کے لیے)

ہم جیتیں گے
حقا کہ ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے
ہم جیتیں گے

کیا خوف ز یلغارِ اعدا
ہے سینہ سپر ہر غازی کا
کیا خوف ز یورش جیش قضا
صف بستہ ہیں ارواح الشہدا
ڈر کاہے کا
ہم جیتیں گے
حقا کہ ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے
ہم جیتیں گے

ہر قطرہ خون اپنا پرچم
ہر کشتہ شجر ہے نخل ارم
ہر نعرہ عدو کو صور عدم
دم دم دم دم
ہم جیتیں گے

قد جاء الحق وزہق الباطل
فرمودۂ رب اکبر ہے
جنت ہے اپنے پاؤں تلے
اور سایہ رحمت سر پر ہے
پھر کیا ڈر ہے
ہم جیتیں گے
ہم جیتیں گے

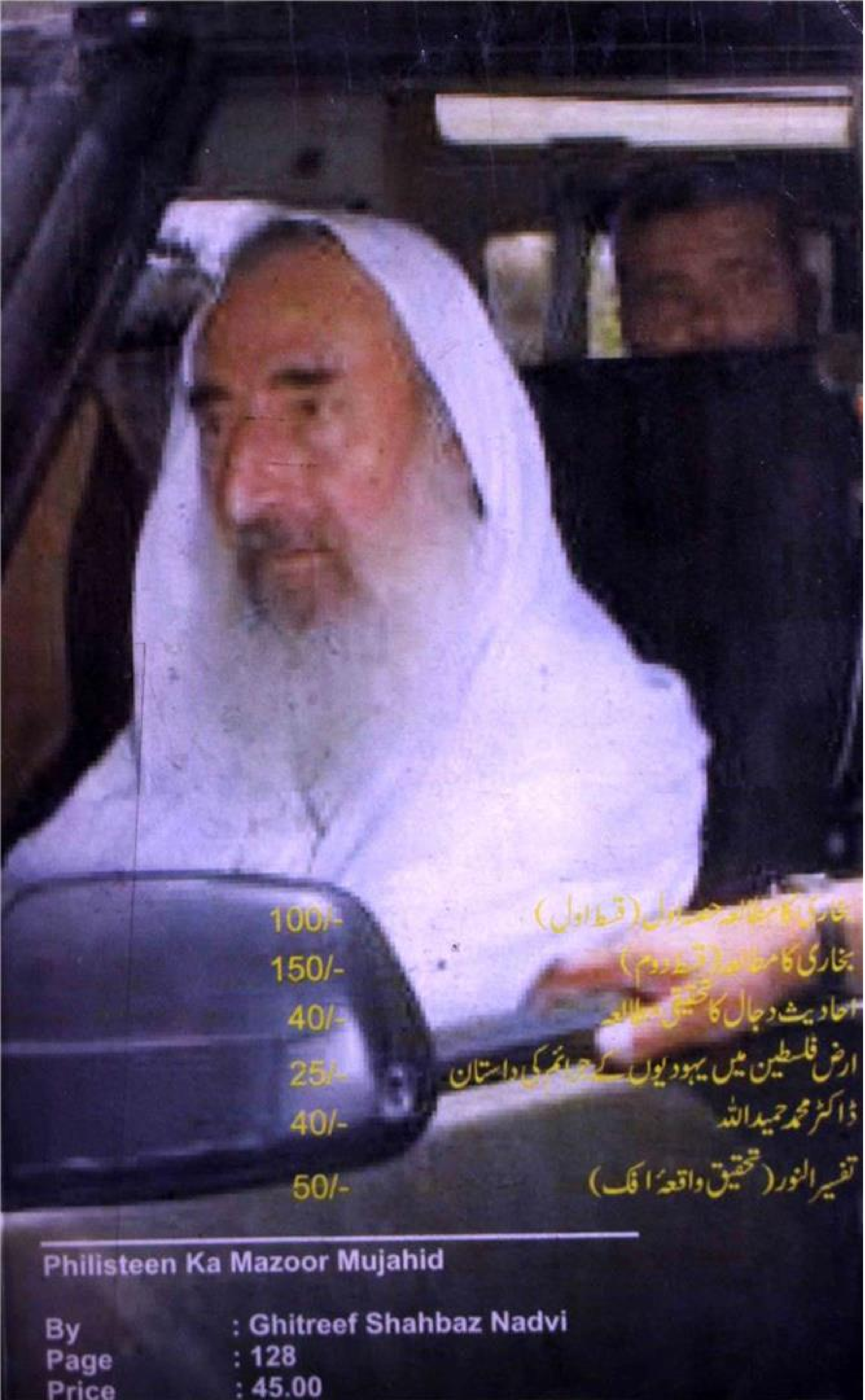

بخاری کا مطالعہ حصہ اول (قسط اول)	100/-
بخاری کا مطالعہ (قسط دوم)	150/-
احادیث دجال کا تحقیقی مطالعہ	40/-
ارض فلسطین میں یہودیوں کے جرائم کی داستان	25/-
ڈاکٹر محمد حمید اللہ	40/-
تفسیر النور (تحقیق واقعۂ افک)	50/-

Philisteen Ka Mazoor Mujahid

By : Ghitreef Shahbaz Nadvi
Page : 128
Price : 45.00